تعمیر حیات

★

ہ

محض مقدمہ جیت لینے سے چیز اس کی نہیں ہو سکتی!

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں بھی انسان ہوں تم میرے پاس مقدمہ لاتے ہو اور تم میں کا بعض اپنی چرب زبانی سے کام لیتا ہے تو میں اسی طرح کروں گا جو میں نے سنا ہے، اگر میں نے اپنے سننے کے مطابق اس کے بھائی کا حق اس کو دلوا دیا تو گویا اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا۔

(بخاری)

★

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

★

۱۸ رجب ۱۳۹۱ھ

[redacted]

مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۷۱ع

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ۔۔۔ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd. No. [illegible] FORTNIGHTLY Phone [illegible]

TAMEER - E - HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء

(از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی)

[illegible]

حصہ اول [illegible]

حصہ دوم [illegible]

حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) [illegible]

الأدب العربي

بين عرض ونقد

[illegible]

(قیمت صرف [illegible] روپے)

دیوان ساطع الطراف

[illegible]

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن

[illegible]

جزیرۃ العرب

[illegible]

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press, Lucknow.

قرآن کا پیام

(از: مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(اور) تم لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے بعد اس کے کہ انھیں کھلے ہوئے شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفریق کر لی اور مختلف ہو گئے، عذاب عظیم انھی کو ہونا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائیگا کہ) کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے اپنے ایمان کے بعد سو عذاب چکھو اپنے کفر کے پاداش میں۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انھیں تم کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف (سارے) امور لوٹائے جائیں گے۔ تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں خوب ہوتا۔ ان میں سے (کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔

(توحید، رسالت، وحی، جزا و سزا وغیرہ، اصولی و بنیادی عقائد کے باب میں)

کالذین. مراد سابق اہل کتاب، یہود و نصاریٰ ہیں۔

تفرقوا واختلفوا. یعنی از راہ نفسانیت و شرارت وحدت دینی کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور اپنے الگ الگ گروہ بنا لئے مسائل و جزئیات احکام میں اختلاف جو اخلاص نیت کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو، وہ اسلام میں ہرگز ممنوع نہیں بلکہ وہ تو امت کے حق میں عین رحمت ہے ـــــ بخلاف ماحول و اختلاف مذاق و طبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک پر آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کسی میں۔

البینات. اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آ گئے۔

یہ خطاب اہل دوزخ سے تو بہر حال ہو گا، گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ ان سب سے ہو گا یا ان کے صرف بعض گروہوں سے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب منافقین سے ہو گا اور ایمان سے یہاں مراد اظہار اطمینان ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ مخاطب اہل کتاب ہیں اور حجت ان پر قائم کی جا رہی ہے کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان کا ذکر پوری طرح موجود، اور پھر تم منکر ہو گئے۔

بعض اہل نظر نے ترجیح اسی قول کو دی ہے۔

ابن جریر نے بعض تابعین سے استناد کر کے یہ شق اختیار کی کہ خطاب سارے کافروں کے لئے عام ہے اور جس ایمان کا یہاں ذکر ہے وہ اظہار اطمینان عام الوع میں عہد الست کے وقت کا ہے۔

تبیض وجوہ. یوم حشر تو کشف حقائق کا وقت ہو گا، ضرور ہے کہ اہل حق کے چہرے اس دن انوار حق سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔

تسود وجوہ. کشف حقائق کے وقت یہ بالکل قدرتی ہے کہ اندر کی سیاہیاں اور باطن کی کدورتیں نکل نکل کر اہل باطل کے چہروں پر چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابیاض وجہ اور اسواد وجہ سے مراد علی الترتیب محض مسرت و غم بھی ہو سکتی ہے۔

اور اسی محل رضا و محل رحمت کا نام جنت ہے جنت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محض ترغیب میں ذکر کیا ہے وہ رضائے الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گستاخ شاعروں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔

(اس لئے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور حکیمانہ ہوتے ہیں)

اسلام کا تمام تر رحیم ہے، عادل ہے، شفیق ہے مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم و خونخوار نہیں ہے قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفات ذمیمہ سے کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور توراۃ اور توریت تک کے خدا میں صفات قہری کہیں زیادہ زور و قوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

بالحق. یعنی بالکل صحیح جس میں خلاف شبہ کی گنجائش نہیں۔

اور کوئی دیوی دیوتا نہ اس مرجعیت امور میں اس کا شریک و سہیم ہے نہ آسمان و زمین کے کسی جزو کی ملک و تصرف میں۔

ترجع الامور. یہ تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کا ناطق ہو گا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں۔

یعنی تم اس لئے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں، تم ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب امت محمدی اور ملت اسلامی سے ہے۔

کنتم. کان یہاں تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مراد دوام نسبت ہے۔

(پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا)

آیت کے اس جزو میں امت اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کا پورا نقشہ آ گیا، مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو، تم توحید کے امتدار میں زمین پر اللہ کے نائب و خلیفہ ہو، بطور اس کی پولیس ہو، الٰہی قانون کے نفاذ و تحفظ کے لئے دنیا کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظام حق کے ایک ایک کل پرزے کو درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔

(باقی ...)

۸ ار رجب سنہ ۱۳۹۱ھ
پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ
مطابق
۱۰ ار ستمبر سنہ ۱۹۷۱ء
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد (۸) شمارہ (۱۵/۲۱)
چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیلاب کے بعد!

گومتی کے سیلاب نے ایک مرتبہ پھر لکھنؤ اور اس کے قرب و جوار میں تباہی پھیلائی ہے۔ اور دار العلوم ندوۃ العلماء ان چند مقامات میں ہے جو اس سے شدید طور پر متاثر ہوئے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ باوجود اس کے کہ سیلاب میں دار العلوم ایک جزیرہ کی مانند ہو گیا تھا۔ اور صرف کشتی کے ذریعہ اصل عمارت سے رابطہ باقی تھا۔ کئی سو طالب علموں کی ذمہ داری سر پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کھلی مدد فرمائی، نہ کسی چیز کی دقت ہوئی نہ کسی کے سامنے دست نگر ہونے کی ضرورت پیش آئی۔

سیلاب ہمیشہ دوست دشمن کی تمیز کی کسوٹی بن کر آتا ہے۔ اس موقع پر دار العلوم سے حکومت کے ذمہ داروں نے جس طرح بے پروائی برتی وہ بے نظیر تھی۔ حکومت کا کوئی ذمہ دار پولیس یا فوج کے کسی آدمی نے اس ابرے زمانہ میں دار العلوم کی طرف رخ بھی نہیں کیا۔ قاضی جلیل عباسی وزیر زیارت ضرور تشریف لائے، لیکن انکے آنے میں شخصی تعلق اور ذاتی دلچسپی کا دخل زیادہ ہے، باوجود اس علم کے کہ یہ ایک مدرسہ جہاں سیکڑوں بچے تعلیم پاتے ہیں اور چاروں طرف سے کئی فٹ پانی سے گھر چکا ہے اس کا عظیم کتب خانہ دریا کے سب سے زیادہ قریب ہے یہ تغافل ایسی چیز ہے جس پر ہمیں بجا طور پر شکایت کا حق ہے۔

ان ذمہ داروں نے یہ سمجھا ہو گا کہ یہاں کے رہنے والوں کی غیبی طور پر مدد ہوتی ہے اس لئے ان کی مدد کی ضرورت نہیں، اگر ایسا ہے تب بھی ہمیں زیادہ شکایت نہ ہو گی لیکن اگر دخل کسی اور چیز کا ہے تو ہمیں شکایت کا حق ہے۔

زیادہ دشواری یوں پیدا ہوئی کہ بجلی غائب ہو گئی تو آنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس کی وجہ سے پانی کی بڑی تکلیف رہی، سیلاب گھٹنے کے بعد بار بار تقاضے کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ جب بعض کرم فرماؤں نے اس کے لئے اگر کوشش کی تب اس میں کامیابی ہوئی اور جمعہ کے روز شب کے وقت وہ اندھیرا دور ہوا جو گزشتہ ہفتہ عشرہ سے فضاؤں میں محیط تھا۔

اب سیلاب کے بعد ہمارے سامنے بہت سے مسائل ہوں گے جن کا تعلق صفائی، صحت، مرمت و تعمیر اور ماضی کی غلطیوں کے اصلاح سے ہے۔

اگر اس سے صحیح طور پر نمٹ لیا گیا اور ان بد انتظامیوں کو دور کیا گیا جو گزشتہ سالوں میں بہت بھدے طریقہ پر ہوتی رہیں تو شاید اللہ تعالیٰ ہم پر کچھ رحم فرمائے لیکن طرز عمل اور ذہنیت میں بالکل کوئی تغیر نہ ہوا تو خطرہ اس بات کا ہے کہ خدا نہ خواستہ اس سے زیادہ آفات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سیلاب اور آفات ارضی و سماوی کے حقیقی اسباب کیا ہیں؟ ان پر اس سے زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور خاص طور پر مسلمانوں کے لئے اس میں غور و فکر کا بہت سامان ہے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں یہ ہماری غلط کاریوں اور غلط پالیسیوں اور بدنیتی اور ظلم کا خمیازہ تو نہیں ہے، کہیں ہماری شامت اعمال تو صورت سیلاب میں ہمارے سامنے نہیں آ رہی ہے ـــــ ؟؟

یہ پہلو اس قصہ کا سب سے بنیادی اور اہم پہلو ہے اس لئے اس پر حکومت اور عوام اور تمام سیاسی پارٹیوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو بہت فکر و سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

شرق اوسط کی ڈائری — قسط (۹)

مصر میں یوم پیدائش حسینؓ

ایک دل آزار بدعت

از:- مولانا ابو الحسن علی ندوی
ترجمہ:- شمس الحق ندوی

علوبہ پاشا سے گفتگو:- چار بجے ہم لوگ محمد علی علوبہ پاشا کی خدمت میں حاضر ہوئے ۱۹۳۰ء میں جب وہ مفتی امین الحسینی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے، تو لکھنؤ ہی میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی آئے تھے، لکھنؤ کے زمانہ قیام میں، میں ان سے ملنے کے لئے برلنگٹن ہوٹل جاتا تھا، اس وقت میری عمر بیس سال تھی، (مصر الجدیدۃ) میں ہم ان سے ملے تو ان کو اٹھارہ سال پیشتر جس حال میں دیکھا تھا اس سے بہت زیادہ تندرست اور مستعد پایا، میں جلدی فیصلہ نہ کر سکا کہ وہی ہیں یا مجھے دھوکہ ہو رہا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ امریکہ گئے وہاں علاج کرایا جس کے بعد ان کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی، وہ مجھے اس طرح غور سے دیکھتے ہوئے باہر نکلے جیسے کسی ایسے شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں جس کو کبھی دیکھا ہو، بیٹھے باتوں کا سلسلہ شروع ہوا دار العلوم میں حاضری کا تذکرہ کیا، دار العلوم اور مسلمانوں کے حالات پوچھے، پھر پاکستان کے سلسلے میں اپنی کد و کاوش منصوبوں اور اپنی حکومت کو اس سے دینی ثقافتی تعلق پیدا کرنے کی طرف توجہ دلانے کا تذکرہ کرنے لگے، ہند و پاک میں حکومت مصر کو اپنے خرچ پر عربی مدارس قائم کرنے پر آمادہ کرنے کے منصوبوں کو بیان کیا۔

ہند و پاک اور انڈونیشیا کے مسلمانوں کے بارے میں علوبہ پاشا کی رائے

انھوں نے کہا اگر اس وقت کچھ امید کی جا سکتی ہے تو ہند و پاک اور انڈونیشیا کے مسلمانوں ہی سے کی جا سکتی ہے، یہی وہ ممالک ہیں جن میں قومی جذبہ دینی شعور اور حوصلہ مند قوم پائی جاتی ہے، عرب ممالک کے سربراہ اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کرنے میں کچھ زیادہ مخلص و سنجیدہ نہیں ہیں، پھر فرمایا کہ یہ مشرقی ممالک جن کا میں نے ذکر کیا، اپنی قوت و اہمیت اور کثرت آبادی کے باوجود مصر کو عالم اسلام کے قائد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، پاکستان کے وزیر تعلیم جو لیگ کے ذمہ دار شخص ہیں جس میں مصر سے جا کر آباد مسلمان رہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مصر دینی و علمی میں ہمارا امام ہے، میرے خیال میں مصری حکومت کا بہترین سیاسی مفاد اس میں تھا کہ وہ ان نئے اسلامی ملکوں سے دینی اور ثقافتی رابطہ قائم کرتی اور ان کے حلقے میں مناسب پوزیشن بناتی، ہم ان کے پاس سے نکلے اور استاذ اسمٰعیل کے یہاں نماز پڑھی اور انھیں کی موٹر میں عتبۃ الخضراء آ گئے۔

۲۸/۴/۷۰ مطابق ۵/۲/۵۱ء

وقت مقررہ پر ہم لوگ ازہر کے دفتر گئے، فرید وجدی صاحب کو (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین) کا ایک نسخہ دیا، اور ان سے کہا کہ مجلۃ الازہر میں اس کتاب پر تبصرہ بھی کریں، انھوں نے وعدہ بھی کر لیا، کتاب کے صفحات پلٹے اس کی فہرست پڑھی اور پسندیدگی کا اظہار کیا، تھوڑی دیر بعد محمد فؤاد عبد الباقی آئے اور اپنی کتاب (تیسیر المنفعۃ بکتابی مفتاح کنوز السنۃ والمعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی) کا ایک نسخہ راقم سطور کو دیا اور ایک مولانا سید سلیمان ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیا۔

محترم محمد الغزالی سے ملاقات:- میں شیخ محمد الغزالی سے ملنے کا خواہشمند تھا، وہ اخوان المسلمین کے نمایاں رکن اور مصر کی موجودہ دینی بیداری کی جد و جہد کے رہنماؤں میں ہیں۔ یہ آرزو پوری ہوئی میں (الاسلام والمناہج الاشتراکیہ) (الاسلام المفترى علیہ) اور (من ہنا نعلم) کے مصنف سے ملا، میں اس صاحب قلم سے ملا جس سے اخوان کو صحیح فکر و روحانی غذا اور صالح اسلامی لٹریچر ملتا ہے، ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ ان میں میں نے ایک نیک تعلیم یافتہ سرگرم زندہ دل، روشن دماغ اور ایسے شخص کو دیکھا جس کے چہرے سے بشاشت ٹپکتی ہے، ان سے مل کر معلوم ہوا کہ ہم میں سے ہر ایک رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ دوسرے سے واقف ہے، اور ان کتابوں میں اس کے فکر و اصول کی تصویر دیکھ چکا ہے آج ازہر میں ان کا وعظ تھا، ازہر کے شیوخ اور واعظین حضرت حسینؓ کے یوم ولادت کے موقع پر یہی تقریریں کرنے کا انتظام کرتے ہیں، ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ازہر گئے۔

یوم پیدائش حضرت حسینؓ:- ان دنوں مصر میں حضرت حسینؓ کے یوم پیدائش کے جلسے ہوتے ہیں، اس زمانہ میں آپ کو قاہرہ کے گلی کوچوں میں بجلی کے قمقموں، رنگ رنگ پھولوں، مٹھائیوں، اور جلسوں کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا، ادھر ایک شخص غرباء و مساکین کو روٹیاں تقسیم کر رہا ہے، اس روٹی کو لینے کے لئے امیر غریب سب ٹوٹے پڑ رہے ہیں ادھر جلسہ سجا ہے، دوکانیں آراستہ، سڑکیں روشنی سے بقعۂ نور بنی ہوئی ہیں قاہرہ کے ہر حصہ میں آپ کو دیہاتیوں کے جتھے اور ٹولیاں دکھائی دیں گی، یہ سب (سیدنا حسینؓ کے مہمان ہیں) اس مظلوم شہید کے جشن میلاد کے موقع پر تفریح و تماشہ کے لئے آئے ہوئے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس مقام کی زیارت کے لئے آئے ہیں جہاں آپ کا سر دفن ہے، اس سے ان کو کوئی انکار نہیں، بلکہ اس شہر کے بہت سے اہل علم کو بھی اس کی فکر نہیں کہ حضرت حسینؓ کا سر قاہرہ کیسے پہونچا؟ کب آیا کون لایا اس رسم کی کوئی تاریخی حقیقت بھی ہے یا نہیں؟ عوام میں اس کی شہرت ہی حجت اور قابل عمل ہے، اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں لوگ عجیب قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو مار ڈالا پھر اس کا سر کاٹ کر حضرت حسینؓ کے سر کی جگہ رکھ دیا اور ان کا سر نکال کر مصر لائی تاکہ مصر کو اس کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہو، مصری اس عورت کی بھی بڑی قدر کرتے ہیں، اور اسی طرح اس کی قبر کی بھی زیارت کرتے ہیں، حضرت حسینؓ کے سر کے پاس وہ بھی مدفون ہے۔

۲۹/۴/۷۰ مطابق ۶/۲/۵۱ء

آج صبح کو طبیعت مضمحل تھی، رات میں اپنا مضمون (اسمعی یا مصر) لکھنے میں مشغول تھا، وہی میرے فکر پر چھایا رہا جس کے سبب نیند نہیں آئی۔ یہ آج ہی کی بات نہیں جب بھی میرا ذہن کسی فکر میں لگ جاتا ہے تو ایسی صورت پیش آتی ہے دیر سے سویا تھا، نیند پوری نہ ہونے پائی کہ جاگ گیا اس لئے آج طبیعت میں اضمحلال تھا۔

رسالہ الفتح اور اس کے اڈیٹر سے میرا تعلق

عصر کے وقت ہم لوگ الفتح کے اڈیٹر محب الدین الخطیب

کے پاس جزیرہ روضہ گئے، الفتح اور اس کے اڈیٹر سے میرا تعارف پرانا ہے، اس تعارف پر تقریباً بیس برس گذر چکے ہیں اس وقت جب ہم استاذ تقی الدین ہلالی المراکشی (جو کہ اب ڈاکٹر ہلالی ہیں) کے شاگرد تھے رسالہ الفتح طلبہ کی انجمن اور ہمارے گھر دونوں جگہ آتا تھا، یہ ہمارا بہت محبوب رسالہ تھا، ان دنوں اس میں امیر شکیب ارسلان اور استاذ ہلالی لکھا کرتے تھے مجھے اور میرے ساتھی مولانا مسعود عالم ندوی کو بھی اس میں لکھنے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں اس میں میرے کئی مضمون شائع ہوئے تھے، جن میں سے ایک مضمون لسان العصر تھا اس میں میں نے مغربی تہذیب پر ظریفانہ اور ادبی انداز میں تنقید کرنے والے اردو کے مشہور و معروف شاعر اکبر الٰہ آبادی کے اشعار کا ترجمہ کیا تھا، الفتح نے میرے اس مضمون کو مسلسل کئی شماروں میں شائع کیا تھا۔ محب الدین صاحب کی چیزیں میں نے بہت پڑھی تھیں، میں الحدیقہ کے حصے پڑھ چکا تھا جس نے صالح جدید اسلامی عربی ادب سے واقف کرایا اور اس کے ذریعہ سے بہت سے نئے ادیبوں سے میں واقف ہوا، اسی طرح الزہراء کی جلدوں سے بھی مستفید ہو چکا تھا۔

محترم محب الدین خطیب سے ملاقات

ہم لوگ جزیرہ روضہ پہونچے وہ شہر کے آخری حصے میں واقع ہے۔ جب ہم محترم محب الدین خطیب سے ملے تو انھیں دیکھ کر مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا جب ان کا عنفوان شباب تھا اور صفحۂ زندگی صاف اور سادہ تھا، میں نے پوچھا الفتح کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے ملک میں الفتح کا پڑھنے والا مجرم گردانا جانے لگا، اس کے یہاں تلاشی ہونے لگی، الفتح رکھنے والا موجب سزا ٹھہرایا گیا اس وقت سے میں نے اس کو بند کر دیا، ان کا اشارہ اخوان کو شہر بدر کرنے اور ان کی خانہ تلاشی کی طرف تھا۔

یہاں کے ماحول میں اپنی نامانوسی اور اس ملک میں اپنی اجنبیت و افسردہ دلی کا تذکرہ کرنے لگے، احمد عثمان صاحب نے یہاں کے بعض ادباء اور مشہور صحافیوں سے میری ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا تو انھوں نے ان کے دینی رجحان اخلاقی متانت پر تنقید کی اور فرمایا ان لوگوں کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ وہ بہروپیہ کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور بہروپیہ کی مہارت و کامیابی یہ ہے کہ جو پارٹ ادا کرنے کی ذمہ داری اس کو دی گئی ہے، اس کو ہو بہو پوری ہوشیاری و کمال مہارت کے ساتھ ادا کرے مثلاً اس سے بادشاہ کی نقل اتارنے کو کہا جائے یا وہ خود بادشاہ کی نقل اتارے تو اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اس پارٹ کو اتنی بے تکلفی و مہارت اور شاہانہ طور و طریق کے ساتھ ادا کرے کہ دیکھنے والے کو سو فیصدی یقین ہو جائے کہ وہ بادشاہ ہی ہے، ان ادباء کا یہی حال ہے، اس میں سے کسی سے کہا جائے کہ فلسفۂ قرآن پر کتاب لکھو تو وہ حسن و کمال لکھ دے گا، اسی طرح سیرت نبوی پر کتاب لکھ دے گا، اور اسی مہارت و نکتہ آفرینی کے ساتھ کسی بادشاہ کو خوش کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس کی سیرت بھی لکھ دیگا، اسی طرح وہ ایسے مضامین اور کتابیں بھی لکھ دیگا جو اسلامی اصول اور دینی روح کے خلاف ہوں انھوں نے کہا کہ ایک قابل اعتماد شخص نے مجھ سے واقعہ بیان کیا کہ ایک دن اس سے ایک بڑے ادیب سے اسلامی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی، اس دوران گفتگو میں اس ادیب نے کہا نعوذ باللہ اگر محمدؐ مصر آ جائیں اور اس میں پورے طور پر اسلامی نظام چلانا چاہیں تو ان سے جنگ کرنے کے لئے میں سب سے پہلے نکلوں گا۔)

صورت حال کچھ ایسی ہی ہے، محترم محب الدین نے جو بات کہی وہ صحیح تصویر ہے اور اس کا اطلاق بہت سے ادباء پر صادق آتی ہے جنھوں نے اسلامی موضوع پر لکھنا اپنا پیشہ اور ذریعہ معاش بنا لیا ہے، مصر ہی میں نہیں بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں یہی صورت حال ہے۔

محترم محب الدین خطیب نے میرے مضمون (لسان العصر) کے چھپے ہوئے فارم دکھلائے اس پرانے مضمون کو دیکھ کر جسے میں تقریباً بھول چکا تھا، ایسی خوشی ہوئی جیسے آدمی کو کسی دیرینہ دوست، جس سے ملاقات کی توقع نہ رہی ہو، مل کر خوشی ہوتی ہے، انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ اسے شائع کر رہے ہیں، بہت تھوڑے سے حصہ کی طباعت اور باقی ہے، ہمارے ایک دوست نے کہا کہ آپ کو میلاد حسین کی تفریح کا شوق ہے؟ میں نے ظرافت کے انداز میں کہا جی ہاں اگر آپ جیسا متبع سنت اور بدعت کو ناپسند کرنے والا کوئی بزرگ ہمارے ساتھ ہو تو کوئی حرج نہیں، میرا مطلب تھا اس جشن میلاد کا مقصد معلوم کروں جس کا مصر میں بہت زیادہ اہتمام ہوتا ہے، اسی بہانہ اس ملک کی دینی حالت کا بھی جائزہ لوں۔

جشن میلاد حسینؓ کی تفریح:- احمد عثمان کے ساتھ پہلے ہم لوگ ایک جلسہ میں گئے جس کو شرقی لیس کمپنی اور صعید لیس کمپنی نے (قبۃ الغوری) میں حضرت حسینؓ کی یاد میں منعقد کیا تھا، ہم نے سنا تھا کہ شیخ صادق منشلاوی اس جلسہ میں ایک قصیدہ پڑھیں گے، ہم جلسہ گاہ پہونچے۔ تو وہاں حاضرین کی تعداد بہت کم، ٹیپ ٹاپ اور سجاوٹ ایسی نظر آئی کہ آنکھیں خیرہ ہوں، پہلے عبد الصمد خلیفہ قاری آگے بڑھے اور قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھیں، آوازیں ٹکرا رہی تھیں، لاؤڈ اسپیکر بہت سے تھے، ایک قاری جلسہ میں پڑھ رہا ہے ایک جلسے سے باہر پڑھ رہا ہے اور لاؤڈ اسپیکر سے اس کی آواز بلند کی جا رہی ہے آیتیں صاف سنائی نہیں دیتیں تو خشوع و خضوع کا کیا ذکر اس کے بعد ازہری واعظوں کے ناظرات ذو حسن صفوا اسٹیج پر آئے، اور میلاد کے فوائد پر تقریر کی، آواز کے شور و ہنگامہ اور اس غیر اسلامی رسم و رواج اور صورت حال سے کبیدہ خاطر ہو کر ہم لوگ یہاں سے نکلے اور شیخ صادق منشلاوی سے ملنے کے لئے مسجد سیدنا حسینؓ کی طرف روانہ ہوئے مسجد کے زائرین، راہ گیروں اور تفریح کرنے والوں کی راستوں پر شدید بھیڑ تھی۔ اس بھیڑ بھاڑ میں بھٹک جانے کا خطرہ ہوا چنانچہ اس مشکل سے بچنے کے لئے ہم لوگوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا، اور بڑی مشکلوں سے مسجد کے قریب پہونچے، یہاں ذکر کا ایک حلقہ قائم تھا جو اہل ذکر کی مجلس سے کہیں زیادہ ورزش کی بزم سے مشابہ تھا ہمیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ اہل تصوف کے بعض سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، احمد عثمان صاحب نے کہا چلئے ابھی تھوڑی دیر میں پھر ادھر آئیں گے۔

ہم لوگ اس محسن عورت (بچہ کی ماں) کی طرف بڑھے جو حضرت حسینؓ کا سر لائی تھی، جیسا کہ بہت سے مصریوں کا اعتقاد ہے، اس کے مزار کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ہر قسم کے کھیل تماشوں، قسم قسم کی دوکانوں اور ریڑھی والوں کے پاس سے گذرے بھیڑ ایسی کہ خدا کی پناہ، شور و ہنگامہ ایسا کہ کان دکھائی (؟) غضب یہ کہ اسی بھیڑ کے اندر سے کوئی بھڑکتی ہوئی آگ لے کے دوڑ رہا ہے، آگ بجھنے کی بھی پرواہ نہیں اسی بے پناہ ہجوم میں جہاں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں، جانوروں کا ایک ریلا چلتا ہے اور ایک دوسرے کو دھکا دیتا ہوا اور ٹرین کی طرح راستہ بناتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یہاں ہمیں شراب کی بو آئی اور ہم لوگ پیچھے کی طرف لوٹے مسجد کے دروازے پر پہونچے تو ذکر کا حلقہ قائم تھا۔ اہل حلقہ بڑی پر مشقت حرکتیں کرتے ہوئے نظر آئے اس میں وہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے، اپنی ناکوں سے اس زور کی سانس نکالتے کہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ نصف جسم تک جھکتے پھر کھڑے ہو جاتے جیسے نٹوں کے بعض کھیل ہوتے ہیں۔

شیخ حلقہ ایک ایسا نوجوان تھا جس کی داڑھی منڈی ہوئی سر پر ترکی ٹوپی لگائے ہوئے کسی بزرگ کا قصیدہ پڑھ رہا تھا۔ قصیدہ کے بعض اشعار کا مطلب یہ تھا، اگر میرے راز ہائے درون پہاڑ پر رکھ دیئے جائیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں سمندر پر رکھ دیئے جائیں تو وہ خشک ہو کر چٹیل میدان ہو جائے، اور اگر اس کو کسی مردے پر رکھ دوں تو وہ ہمارے آقا کے حکم سے زندہ ہو جائے اور اسی کے ہم معنی اشعار، ہم یہ سب دیکھ ہی رہے تھے، اور حلقہ ذکر زوروں پر گرم تھا کہ اچانک ایک بوڑھی عورت پر وجد طاری ہوا اس کے

مردوں سے معانقہ کیا پھر وہ اپنے حال میں نہیں رہی ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ بنی سے محبت کرتی ہے، ہمیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ طریقہ شناسیہ احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسجد کے ایک گوشہ میں ہم نے دوسرا حلقہ دیکھا لوگوں نے بتایا کہ یہ طریقہ بیوھیہ ہے

اس صورتِ حال سے مجھکو بڑی تکلیف ہوئی

اس بھیڑ بھاڑ میں بڑی مشکلوں سے راستہ طے کرتے ہوئے یہاں سے ہم لوگ نکلے اور ایسی دکانوں پر سے گذرے، جن کے مالکوں نے اپنی دکانوں پر چھوٹے چھوٹے جلسے قائم کر رکھے تھے، کچھ قاریوں، گویوں اور واعظین کو بٹھا رکھا تھا جو اپنے فن و مہارت کا مظاہرہ کر رہے تھے، اور آواز کے زیر و بم اور لے کے ساتھ آیتیں پڑھتے اور اشعار سناتے یا قصہ بیان کرتے، لوگ جھومتے اور مزید پڑھنے کا مطالبہ کرتے، مکرر مکرر کی آوازیں بلند کرتے، دین و عقل، تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی ان باتوں کو دیکھ کر جسے ذوق سلیم قبول نہیں کرتا تھک کے چور اور غمزدہ و رنجیدہ ہو کر واپس ہوئے یہ منظر دیکھ کر قرآن کریم کی یہ آیت یاد آئی (ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنھوں نے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا ہے) اس بات سے ہمیں اور رنج و قلق اور تعجب ہوا کہ یہ سب کچھ ازہر سے چند قدم کے فاصلے پر ہو رہا تھا۔

محمد الغزالی کے ساتھ

یکم جمادی الاول سنہ مطابق ۳ر۲ر۵۱ء

ہم لوگ شیخ محمد الغزالی کے یہاں گئے، وہ ہم لوگوں سے بڑی محبت و خوشدلی سے ملے ہم لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، طرح طرح کی باتیں ہوئیں، جو دینی اور علمی موضوعات سے متعلق تھیں، انھوں نے بعض ان مصنفین کا ذکر کیا جنھوں نے اسلامی قانون پر نکتہ چینی کی ہے اور دینی کتابوں میں اسلامی حقائق اور اس کے اصولوں اور بنیادوں کی بڑی دیدہ دلیری سے مخالفت کی ہے حالانکہ ان کا نشو و نما دینی ماحول ہی میں ہوا اور انھوں نے دینی تعلیم بھی حاصل کی، میں نے ان سے پوچھا اس ردعمل کا محرک و سبب کیا ہے؟ کیا اس کا تعلق ذاتی حالات اور ان واقعات سے ہے جو ان مصنفوں کے تجربوں اور احساسات سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ ایسے حالات میں بہت سے ملکوں میں ہو رہا ہے۔

عام طور پر دین کیخلاف ردعمل اور بغاوت کا سبب دیندار لوگوں کی علمی تنگی اخلاقی کمزوری اور معاشرہ کا بگاڑ ہوا کرتا ہے

محمد الغزالی صاحب نے اس خیال کی تائید کی اور بتایا کہ ان مصنفین میں سے ایک شخص کو میں جانتا ہوں جو میرا جامع ازہر کا دوست اور ساتھی رہ چکا ہے، وہ ایک دینی انجمن کا رکن اور اپنے خاندان میں یکتا تھا، میرا یہ دوست بڑی تنگدستی کی زندگی گذار رہا تھا، اور اس کے دینی احباب بڑی خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی گذار رہے تھے، لیکن اس میں سے کسی نے بھی اس کا مالی تعاون نہ کیا، چھوٹے بڑے کسی نے عام انسانی حسن سلوک، محبت و غمخواری کا بھی ثبوت نہ دیا دوستی و رفاقت کا برتاؤ تو بڑی دور کی بات تھی۔

اس صورت حال نے اس کو دینی حلقے اور دیندار لوگوں سے بدگمان کر دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ شخص کسی کلیدی عہدہ پر ہو مثلاً وزیر خارجہ یا مالیات کا وزیر ہو تو اس دیندار شخص کے مقابلہ میں جس میں اس کو اخلاق، بلندی اور اونچا انسانی کریکٹر نہیں نظر آیا ایک بے دین شخص کو وزیر مملکت بنانا پسند کرے گا۔

محمد الغزالی صاحب نے جو فرمایا وہ بہت سے ان ذی علم اور باصلاحیت لوگوں پر صادق آتا ہے جو دینی ماحول میں پلے بڑھے پھر دین کے باغی ہو گئے۔ آدمی اگر ذہین اور زیادہ باشعور ہو اور پھر اس طرح کے ناپسندیدہ تجربات سے اس کا واسطہ پڑے تو اس کے اندر شدید ردعمل اور خطرناک فکری بغاوت پیدا ہو جاتی ہے، فلسفۂ کمیونزم کے بانی مارکس کے ساتھ یہی قصہ پیش آیا اور دین کے بہت سے باغیوں کے ساتھ یہی سانحہ پیش آیا، بات یونیورسٹی کی تعلیم وہاں کے پروفیسروں اور بعض مصنفین اور بڑے صحافیوں کے متعلق ہونے لگی محمد الغزالی صاحب نے فرمایا افسوس کہ ان میں بہت سے لوگ بڑے پڑھے لکھے اور صاحب علم ہیں معلومات اتنی وسیع مطالعہ اتنا گہرا کہ بعض کو انسائیکلوپیڈیا اور دائرۃ المعارف کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے تاریخ اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت اور اس کے زور و عروج پر ایسی کتابیں لکھی ہیں جن کو بڑی علمی حیثیت حاصل ہے لیکن ان مصنفین میں سے اکثر ایسے ہیں جو اسلام کے عملی پہلو کی طرف توجہ نہیں کرتے، ان کے اندر دینی اعمال و ارکان و نماز کا زیادہ اہتمام نظر نہیں آتا مجھے تو ڈر ہے کہ وہ مرجئہ کا مسلک نہ اختیار کر لیں اور اعمال کو زیادہ اہمیت نہ دیں، اس قسم کے لوگوں سے میں تعلیمی معاملہ میں مطمئن نہیں اسی طرح ان اداروں کے نظم پر بھی مطمئن نہیں جن میں دینی اور دنیاوی دونوں تعلیم شامل ہیں اور جن کا منصوبہ ایسے افراد کا پیدا کرنا ہے جو دینی و دنیاوی تعلیم کی کھوئی ہوئی کڑی ثابت ہوں۔

ازہر کا طرز تعلیم :- محمد الغزالی صاحب نے ازہر کے طرز تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ ازہر میں اسلامی اصول و مقاصد اس کے مبادیات و کلیات سے کہیں زیادہ بے فائدہ تفصیل و بال کی کھال نکالنے پر وقت صرف کیا جاتا ہے، وہاں کا دینی ذوق و رجحان بہت پست و کمزور ہے، میں نے کہا تو پھر ازہر کس چیز میں ممتاز ہے؟ انھوں نے کہا کہ عہد عباسی کے مدون شدہ فلسفہ و علم و لغت میں ممتاز ہے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ قرآن کا پیام

ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال ایگزیکیٹو جماعت کو جدال و قتال کی آزادی کسی حال میں نہ ملتی۔ بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود و تعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جا رہا ہے۔

کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو وہ ملک کے محسن ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کو روک دیں تو ان کا شکریہ واجب، لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیادے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دار و گیر کریں تو روشن خیالی کے جبین تخیل پر شکن آ جائے اور تہذیب کے پروپیگنڈے اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگیں!

تنہون عن المنکر۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانے اور تھیٹر، سنیما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آ جاتے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہے کہ امت کی خیریت و افضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر، (ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے ——— حضرت عمرؓ کے حوالے سے نقل ہوا ہے کہ جو کوئی اس امت میں داخل ہونے کی تمنا رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اللہ کی بتائی ہوئی یہی شرطیں پوری کرے۔

اور جس کسی میں یہ صفات نہ ہوں، وہ بس انھیں اہل کتاب جیسا ہے، جن کی ہجو و مذمت یہاں آئی ہے۔ حالاً بھی اور قالاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی)

یہ ایمان لے آتا اہل کتاب کا فرض بھی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی وہ دیکھ بھی رہے تھے۔

(اور حد عبودیت سے قدم باہر رکھنے والے) فاسق۔ یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حد عبودیت سے بالکل باہر نکل جانے والے۔

منھم المؤمنون۔ اس گروہ میں عبداللہ بن سلام یہودی کی طرح دوسرے اہل کتاب بھی داخل ہیں جو رسول صلعم ہی کے زمانے میں ایمان لے آئے تھے۔

سیرتِ عثمانی کے چند پہلو

از: مولانا عبد السلام ندوی

حضرت عثمانؓ کو خدمت خلق سے جو دلچسپی تھی اس کا حال کسے معلوم نہیں۔ خلافت سے پہلے ان کی دولت لوگوں کی ضرورت پر خرچ ہوتی رہتی تھی، مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی کمی تھی، اچھے اچھے کنویں یہودیوں کے قبضے میں تھے، ان لوگوں کی دولت پرستی اور حرص کا حال معلوم ہے مہاجرین و انصار کو پانی حاصل کرنے میں بڑی دشواری ہوتی تھی، یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے ایک بیش قرار رقم دے کر مدینہ منورہ کا مشہور کنواں (بئر رومہ) خرید لیا اور عام فائدہ کے خیال سے اسے وقف کر دیا۔

حفاظتِ خلق :- ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں خبر آئی کہ رومی شہنشاہ بے شمار فوجوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ وقت بہت نازک تھا، رومیوں کی ہیبت صدیوں سے عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی اس اطلاع سے پہلے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیل جاتی لیکن اسلام نے موت کا خوف دل سے نکال دیا تھا۔ اب مسلمان اللہ کی راہ میں جان دینے کا ہر دم شوق رکھتے تھے، اس لئے اس وقت گھبرانے کے بجائے انھوں نے عزم و ہمت سے کام لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رومی سرحد کی طرف بڑھ کر مقابلہ کا ارادہ کر لیا لیکن اتنے بڑے طویل سفر اور اتنے زبردست معرکہ کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت تھی، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مالی امداد کی اپیل کی۔ حضرت عثمانؓ نے اس حکم کی تعمیل میں اتنی بڑی رقم پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا کہ "اس کے بعد حضرت عثمانؓ کچھ بھی کریں، ان پر کوئی بازپرس نہیں ہے۔"

کامیاب سودا :- حضرت عثمانؓ بہت بڑے تاجر تھے، خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا اور ہزاروں اونٹوں پر ان کا سامان تجارت آتا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ شام سے ان کا کاروان تجارت آیا، ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے جب مدینہ منورہ پہونچے تو سارے شہر میں شور مچ گیا۔ ملک میں اس سال بارش گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں بہت کم ہوئی تھی جس کی وجہ سے پیداوار میں کافی کمی ہو گئی تھی اور ایک طرح سے قحط کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ان حالات میں غلے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں کا پہونچنا معمولی بات نہ تھی۔ فوراً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور خریداروں کا تانتا بندھ گیا، بیسیوں تاجر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غلہ خریدنے کے لئے گفتگو کرنے لگے، بڑے بڑے تاجروں نے زیادہ سے زیادہ منافع کی پیش کش کی اور یکمشت رقم دے کر یکبارگی سارا غلہ خریدنے کا وعدہ کیا، حضرت عثمانؓ کچھ دیر تک خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سنتے رہے لیکن جب ان لوگوں کا اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے پوچھا، بتائیے آپ لوگ کہاں تک منافع مجھے دینے کو تیار ہیں اور میری قیمت خرید پر کس قدر اضافہ پر راضی ہو سکتے ہیں۔ یہ سن کر مختلف تاجروں نے اپنے اندازے کے مطابق قیمتیں بیان کرنا شروع کیں کسی نے کہا دس کے بارہ دوں گا، کسی نے کہا دس کے چودہ دوں گا۔ آخر میں انتہائی پیش کش کرنے والوں نے کہا کہ ہم پچاس فیصدی منافع دینے کو تیار ہیں، دس کی لاگت پر آپ پندرہ قبول کر لیجئے اور مال ہمارے حوالے کیجئے، ان لوگوں کی گفتگو سننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا بس آپ لوگوں میں مزید پیش کش کی ہمت نہیں ہے، لوگوں نے کہا نہیں صاحب اب اس سے بڑھ کر کون قیمت دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا مگر مجھ کو تو اس سے زیادہ نفع مل سکتا ہے۔ ایک معاملہ کرنے والا تو دس گنے نفع کا سودا کر رہا ہے اور اس دس کے بدلے میں سو دینے کو تیار ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر میں تم سے اتنے کم پر معاملہ کروں، تم زیادہ سے زیادہ پچاس فیصدی نفع دینے پر آمادہ ہو اور دس کے بدلے میں پندرہ دے کر مال لینا چاہتے ہو، لیکن تمہارے مقابلہ میں وہ ہزار فیصدی دینے کو کہتا ہے، اور دس اونٹ غلے کے معاوضہ میں سو اونٹ غلہ کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے اس کے مقابلہ میں تمہیں کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کی یہ گفتگو سن کر ان تاجروں کو بڑا تعجب ہوا انھوں نے کہا صاحب یہ تو ناممکن ہے، ہم اتنی قیمت کہاں سے دے سکتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا اچھا سنو، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے یہ سارا غلہ مدینہ منورہ کے فقیروں اور محتاجوں کو دے دیا۔

رائے عامہ :- خدمت خلق کے اس جذبہ نے انھیں سب کی نظر میں محبوب بنا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، آخر تک ان کے متعلق حضورؐ کا یہی خیال رہا، حضرت صدیقؓ کی مردم شناسی شہرۂ آفاق ہے۔ وہ بھی حضرت عثمانؓ کو بہت پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، انتقال کے وقت ان سے وصیت نامہ لکھوانے لگے کہ آئندہ خلیفہ کون ہوگا ابھی بات ناتمام تھی کہ غش آ گیا حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ حضرت صدیقؓ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں گفتگو پہلے ہو چکی تھی، اس لئے حالت غشی میں ان کا نام لکھ دیا۔ حضرت صدیقؓ جب ہوش میں آئے تو پوچھا کیا لکھا، عرض کیا حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ حضرت صدیقؓ نے پسند کیا اور فرمایا لیکن اگر تم اپنا نام لکھ دیتے تو تم بھی اس عہدے کے اہل تھے۔

نگاہ فاروقی :- حضرت عمرؓ کی رعایا پروری کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اس سلسلے میں عمال کے تقرر کے متعلق ان کا طرز عمل بیان کیا جا چکا ہے افسروں کو وہ رعایا کا خادم سمجھتے تھے اگر ذرا بھی اس بارہ میں کوتاہی نظر آتی تھی تو وہ حکام سے سخت بازپرس کرتے تھے۔ رعایا پروری اور خدمت خلق کے اس غیر معمولی جذبہ کے باوجود انھوں نے اپنے وصیت نامہ میں امیدواران خلافت کی جو فہرست پیش کی اس میں حضرت عثمانؓ کا نام بھی داخل کیا تھا۔

حکام کی نگرانی :- خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان توقعات کو پورا کر دیا، عمال کو تاکید کرتے تھے کہ رعایا کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پیش آئیں اور اس کا انتظام رکھتے تھے کہ عمال اس ہدایت پر پورے طور پر عمل کریں، عمال کو برابر نصیحت کرتے رہتے تھے کہ وہ صرف تحصیلدار ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ محاصل کے وصول سے زیادہ اس کا خیال رکھیں کہ رعایا کو آرام پہونچے، لگان وغیرہ کی وصولیابی کے ساتھ اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ آراضی کی اصلاح و تعمیر کی جانب سے غفلت نہ ہونے پائے۔ مسافروں کے لئے سڑکیں، مہمان خانے اور کنوئیں بکثرت بنوائیں تاکہ راہ گیروں کو تکلیف نہ ہو۔

مزاج میں نرمی بہت تھی، اگر کوئی سخت لہجہ میں بات کرتا تب بھی آپ اس کے جواب میں نرمی سے کام لیتے، اپنے سے کسی کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتے تھے، اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔

استغاثۂ عام :- جمعہ کے دن خطبے سے پہلے اعلان فرماتے کہ اگر کسی کو کچھ کہنا ہو یا کسی عامل کی شکایت کرنی ہو تو پیش کرے، اسی طرح ہر سال حج کے زمانہ میں عمال کو طلب کرتے تھے پھر اعلان کراتے کہ اگر کسی حاکم سے کسی کو کوئی شکایت ہو تو پیش کرے، فرمایا کرتے تھے کہ میں قوی کے مقابلہ میں ضعیف کے ساتھ ہوں۔

(باقی صفحہ پر دیکھئے)

ہمارا ادب

مستقل عنوان

میر تقی میر

حافظ شکیب الرحمن حسنی

میر درد کے بادشاہ ہیں۔ کوئی شعر نہیں جس میں درد نہ ہو ایک شاعر نے کہا کہ خوب سودا اور میر صاحب کے دیوانوں کو دیکھا۔ ایک میں واہ واہ ہے تو دوسرے میں آہ آہ ہے۔ یہ کوئی فرق نہیں۔ بہت بڑا فرق ہے انسان کی تخلیق درد سے ہوئی ہے۔ ایک انگریز شاعر کہتا ہے کہ وہی شعر بہت اچھے ہوتے ہیں جن میں درد بہت ہوتا ہے۔ ان دو شعروں میں دیکھئے کتنا فرق ہے ؎

سودا کے بالیں پہ گیا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

زور ہے درد نام کو نہیں۔ کوئی امیر کی خوابگاہ ہے؟

میر صاحب فرماتے ہیں ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

ایک مصیبت زدہ ایک دکھ کا مارا یہ کہہ سکتا ہے۔

دوسرا شعر ؎

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

ابھی صاف ظاہر نہیں ہوا کہ قتل ہو گئے اور مقتول تو بول نہیں سکتا۔ ہاں اگر دوسرا سوال کرے جگر یقین ہونے پر کر سکتا ہے۔

میر صاحب فرماتے ہیں ؎

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

یہ صاف بات ہے اور دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ طرف داری کرے اور سنتا رہے تو یہ دوستی کب ہے۔

دنیا کا مطالعہ جیسا میر نے کیا ہے کم کسی نے کیا ہوگا۔ ہر شخص کو آگاہ کیا ہے۔ میں نے بہت سے اشعار چھانٹے ہیں۔ پھر محاورہ زبان اور خوبیوں سے بھری ہوئی۔ محاورہ اور حقیقت سے پُر۔ سب کے میں نے عنوان الگ کئے ہیں۔ اشعار سب قسم کے نکل آئیں گے بعض اشعار صوفیانہ ہیں مگر ان سے اس زمانے کے مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ دیوان دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کس قدر شہرت تھی اور ان کی زبان سے اشعار نکلے اور دکن تک میں وہ اشعار پڑھے جاتے تھے گھر گھر شہرت تھی۔ لوگ ان کے اشعار بطور تحفہ لیجاتے تھے۔ زبان صفائی سے اور خوبیوں سے مرصع ہوتی ہے فرماتے ہیں ؎

چھوڑ جاتا ناجاں بلب ہم کو کہاں کا ہے سلوک
گھر کے گھر یاں بیٹھے جاتے ہیں تم اٹھ کر گھر چلے

دوسرا مصرع خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اپنے رونے کو نہیں بتایا مگر سب کچھ کہہ گئے۔

ایک جگہ مستی کو بتاتے ہیں ؎

مستی میں جاؤ بیجا مدنظر کہاں ہے
بے خود ہیں اس کی آنکھیں اسکو خبر کہاں ہے

اپنی حالت بتاتے ہیں ؎

ہمیں میر عشق میں چپ لگ گئی ہے
نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت

اپنی تعریف ؎

کچھ منہ ہی میں میر نہیں لوگ جیب چاک
ہے میرے ریختوں کا دوانہ دکن تمام
کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

کسو کو میر کی میت کی ہاتھ آئی نماز
نعش پر اس بے سروپا کی بلا کثرت ہوئی

صنعت ؎

ننگا ہیں گرد سر پھریں تو بولا
تمہارا میر صاحب سر پھرا ہے

حقیقت ؎

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دیوانی ہے مشہور ہے

صنعت ؎

بے ڈول قدم تیرا بڑا تھا لڑکپن میں
رونا ہمیں اول ہی اس تیرے چلن کا تھا

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلگشت اور دیکھنا
کیا خوب مدعا ہے دعا کے پیرایہ میں بد دعا ہے

عبرت ؎

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہو خواب کا

غالب کے شعر سے بہتر ہے اور زبان میں کہیں آگے بڑھ گئے۔

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا
بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا

درد ؎

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوئی
کیسے لگو گو آہ مجلے نے دی ہے آگ

زبان ؎

تاثیر عشق دیکھو وہ نامہ وہاں پہونچکر
جوں کاغذ ہوائی ہر سو اڑا پھرا ہے

صنعت ؎

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ہو کل لیکن
بیکل ایسا ہی رہا شب تو یہ بیمار کہاں

غرض میر زبان کے بادشاہ۔ غزل کے بادشاہ عشقوں کے بادشاہ تھے جتنا بھی ناز کرتے کم تھا۔ چونکہ دیوان ابھی کتابی صورت میں نہیں چھپا اور پھر جو آگے چھپا وہ غلط چھپا کیسے وہ قدر ہوتی۔ ورنہ غالب کو یہ بھی نہ کہنا چاہئے تھا کہ ؎

ریختی کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

صرف فلسفہ بھرنے سے اچھا شعر نہیں ہو سکتا۔ کہیں پر غالب کے کلام پر فارسی کا گمان ہوتا ہے۔ اور میر صاحب کے کلام میں فارسی کی آمیزش نہیں۔ زبان صاف اور بامحاورہ اور درد میں ڈوبی ہوئی۔ فقیری کا اظہار بہت ہے مثلاً ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

کس خوبی کا یہ شعر ہے۔ درد میں ڈوبا ہوا ہے

کب ملے میر ملک داروں سے
وہ گدائے شہ ولایت ہے

یک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو میر صاحب قبلہ فقیر ہو

ایک جگہ اپنی غیرت دکھاتے ہیں ؎

غیرت سے تنگ آئے غیروں سے لڑ مریں گے
آگے بھی میر کرتے گئے ہیں ساکا

ساکا معنی مقابلہ

میر صاحب نے اپنا مقابلہ نظیری سے کیا ہے۔ مگر میں کہتا ہے کہ نظیری سے بڑھ گئے۔ تصوف۔ درد اور زبان اور حقیقت اور صنعت سب خوبیاں موجود ہیں جو ایک بہترین شاعر میں ہونا چاہئیں۔ جامع کمالات تھے۔ کامل استاد تھے۔ اگرچہ تو میر درد تھے مقابلے کے کہ جن کا بھرا دیوان تصوف سے بھرا ہوا ہے۔ درد ہے اور سب اشعار منتخب ہیں۔ بھرتی ہے ہی نہیں۔

توحید خدا

تری جستجو یار کی ہے عبث
یہ کوشش گنہگار کی ہے عبث
تو پیدا ہے لیکن ہویدا نہیں
یہ تصدیع ہموار کی ہے عبث

روئے سخن ہے کیدھر اہل جہاں کا یارب
سب متفق ہیں اس پر ہر ایک کا خدا ہے

انقلاب زمانہ و نصیحت

تیرے قبل میں تیرے ہیں آج جہاں

لوگ کیا کیا نہیں تھے بستے

بدی نتیجہ ہے نیکی کا اس زمانہ میں
بھلا کسو سے جو کرتا تو تو برا کرتا

وصیت میر نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

بلبل کی اور گل کی جو صحبت کی سیر میر
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اچٹ گیا

کچھ قدر ہم نے نہ جانی غفلت سے رفتگاں کی
آنکھیں سی کھل گئیں اب جب صحبتیں ہوئیں خواب

حد سے زیادہ جور و ستم خوشنما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

کرتی ہے عشق بازی کو بے مائگی وبال
کیا کھیلے وہ جو اسے کچھ آسرا نہ ہو

خطرہ بہت ہے میر رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

جو ہے سو پائمال غم ہے میر
چال بے ڈول ہے زمانہ کی

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میر تم کو
الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

نعمت

مارگیری ہے زمانہ کی نہ دل کو جمع رکھ
چال دھیمی اس کی ایسی ہے کہ جوں اجگر چلے

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار

میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے
نام جواں ہو جو کچھ تو کیا چاہیئے

دیوان

اپنے دیوان کی تعریف میں کہا ہے ؎

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

ناکامی

کب اور کیا ہوتا عوض ریختے کے کاش
پچھتائے بہت میر ہم اس کام کو کر کر

حقیقت

جہاں سے میر ہی کے ساتھ جاتا تھا لیکن
کوئی شریک نہیں ہے کسو کی آئی کا

میر اظہار محبت میں گیا جی ترا
ہائے ناداں بہت تو نے چھپایا ہوتا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

کل تک آنے میں ایک یاں تھا میر
آج سو سو طرف گمان گیا

دل سے مت جا کہ پھر وہ پچھتایا
ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا

میر بھی دہر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

بہت رونے نے رسوا کر دیا

نہ چاہت کی چھپی ہم سے علامت

کنعاں سے جا کے مصر میں یوسف ہوا عزیز
عزت کسو کی ہوتی نہیں ہے وطن کے بیچ

کیا جانے کہ ہے تو کیا جنس بیش قیمت
جاتے ہیں بکے ہی جاتے بازار سی خاطر

مرنے پہ جان دیتے ہیں دلرفتگان عشق
ہے میر راہ و رسم دیار دگر کچھ اور

خون جگر ہی کھانا آغاز عشق میں ہے
رہتی ہے اس غرض میں کب غذا کی خواہش

وہ شوخ دشمن جاں لے دل تو اس کا خواہاں
کرتا ہے کوئی ظالم ایسی بلا کی خواہش

میرے بھی حق میں کر ٹک ہاتھوں کو میر اونچا
رکھتا ہے اہل دل سے ہر آک دعا کی خواہش

غزل

عشق کی رہ نہ چل خبر ہے شرط
اول گام ترک سر ہے شرط

دعوئے عشق یوں نہیں صادق
زردی رنگ و چشم تر ہے شرط

خامی جاتی ہے کوئی گھر بیٹھے
پختہ کاری کے تئیں سفر ہے شرط

قلب یعنی کہ دل عجب زر ہے
اس کی نقادی کو نظر ہے شرط

حق کے دینے کو چاہیئے ہے کتاب
یاں نہ اسباب نے ہنر ہے شرط

دل کا دینا ہے سہل کیا اے میر
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

عشق میں کچھ نہیں دوا سے نفع
کڑھیے کب تک نہ ہو بلا سے نفع

بلا سے مصیبت سے۔ یعنی پرواہ نہیں

کب تلک ان بتوں سے چشم رہے
ہو رہے گا بس اب خدا سے نفع

چشم معنی آنکھ اور یہاں پر امید کے معنی ہیں۔ دو معنی ہیں تو غیر از ضرر نہ دیکھا کچھ
ڈھونڈھو تم یار و آشنا سے نفع

اب فقیروں سے کہہ حقیقت دل
میر شاید کہ ہو دعا سے نفع

میلان دل ہے سیہ فام کی طرف
جاتا ہے صید آپ سے اس دام کی طرف

دل اپنا عدل داور محشر سے جمع ہے
کرتا ہے کون عاشق بدنام کی طرف

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے بلا ہے عشق

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق

عشق معشوق عشق عاشق ہے
یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق

کوئی خواہاں نہیں محبت کا
تو کہے جنس ناروا ہے عشق

میر جی زرد ہوتے جاتے ہو
کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق

یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا تھا
پاکیزہ گوہروں کی عزت نہیں وطن میں

یوسف عزیز

تحمل ہو سکا جب تک بدن میں تاب و طاقت تھی
قیامت اب گزر جاتی ہے جی پر ایک ساعت میں

لذت سے درد کی جو کوئی آشنا نہیں
سو لطف کیوں نہ جمع ہوں کچھ بھی مزا نہیں

گے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہے
کیا سعی سے ہوتا ہے جب تک نہ خدا چاہے

ہو جائے کیوں نہ دوزخ باغ زمانہ ہم پر
ہم بے حقیقتوں کے کردار ایسے ہی تھے

نیم مردان اسقدر رہ گیا ہے میر
عشق کریے اور پھر ڈر جایئے؟

میں اور تو ہے دونوں مجبور طور اپنے
پیشہ ترا جفا ہے شیوہ مرا وفا ہے

شادی سے غم جہاں میں دہ چند ہم نے پایا
ہے عید ایک دن تو دس روز یاں دہا ہے

دہا۔ رنج۔ ماتم

نایاب اس گہر کی کیا ہے تلاش آساں
جی ڈوبتا ہے اسکا جو تہ سے آشنا ہے

صنعت۔ تہ سے آشنا

دہر کا ہو گلہ کہ شکوۂ چرخ
اس ستم گر ہی سے کنایت ہے

گھر آپ میں نہیں ہو گھر منتظر نہیں ہو
کچھ میر جی تمہارا ان روزوں کا حال کیا ہے

حقیقت بیان کر دی

پھرتے ہو میر صاحب رستے جیسے جلے تم
شاید کہیں تمہارا دل اندنوں لگا ہے

جی تو جائے گا ہمیں اندوہ یہی ہے اک میر
حشر کو اٹھنا پڑے گا پھر یہ اک نم دیدہ ہے

لے اس سرے سے یارو اس جی ہے اس سرے تک
اقلیم عاشقی ہیں آباد گھر کہاں ہے

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دیوانی ہے مشہور ہے

گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے

عزلت میر عشق میں کب تک
ہو کے بے اختیار نکلے گا

برسوں سے ہو تلاوت و سجادہ و نماز
پر میل دل جو سوئے مے ناب ہے سو ہے

ایک چالیس سالہ رفیق کی رحلت

مولانا عبد الحفیظ بلیاوی مرحوم

از مولانا محمد منظور نعمانی

الفرقان اب سے تقریباً ۳۹ سال پہلے بریلی سے جاری ہوا تھا۔ اس کے سال دو سال پہلے سے راقم سطور کی آمدورفت اس وقت کے خاص مشغلہ اور خاص دلچسپی کی وجہ سے بریلی زیادہ رہتی تھی ۔۔ وہاں کے قدیمی دینی مدرسہ مصباح العلوم میں مولانا عبد الحق صاحب سنبھلی مرحوم صدر مدرس اور وہی مہتمم بھی تھے۔ میں نے ان سے کچھ اسباق بھی پڑھے تھے اور نسبی عزیز داری بھی تھی۔ اسوجہ سے جب بریلی جاتا تو اکثر مصباح العلوم بھی جانا ہوتا اور کبھی کبھی قیام بھی وہیں رہتا۔

مولانا عبد الحفیظ بلیاوی اس زمانہ میں وہاں مدرس دوم تھے اپنے ہم مذاق ہونے کے علاوہ بڑے خوش مزاج بھی تھے۔ اسی وقت سے ان سے خاص رابطہ قائم ہو گیا ۔۔۔۔ پھر جب ۱۳۵۳ھ کے اواخر (۱۹۳۴ء) کے اوائل میں بریلی ہی سے "الفرقان" کے اجرا کا فیصلہ کیا گیا تو راقم سطور کا مستقل قیام ہی بریلی ہو گیا اور ۱۲ سال تک یعنی الفرقان کے لکھنؤ میں منتقل ہونے تک وہیں قیام رہا۔ اس پوری مدت میں مولانا عبد الحفیظ صاحب الفرقان کے کام میں راقم سطور کے بریلی میں سب سے بڑے معاون رہے ۔۔۔۔ مولانا کو دفتری کاموں میں بھی خاص سلیقہ تھا، بڑے خوش خط اور زود نویس تھے اور ساتھ ہی انتہائی بے نفس بھی۔ جب کبھی الفرقان کے ناظم دفتر چھٹی پر چلے جاتے تو اکثر مولانا موصوف کبھی کبھی ہفتے بلکہ کئی کئی مہینے تک کے لئے دفتر کا کام اپنے ذمہ لے لیتے اور اس کا بالکل خیال نہ کرتے کہ یہ کام ان کے علمی مقام سے فروتر ہے۔

الفرقان کا دفتر جب تک بریلی رہا اس کے کاموں میں مولانا کی رفاقت اور یہ معاونت برابر جاری رہی اس کے بعد جب وہ لکھنؤ منتقل ہو گیا تو مولانا موصوف بھی پہلے کچھ مدت نور العلوم بہرائچ، اور پھر کچھ عرصہ دار العلوم دیوبند رہنے کے بعد اس عاجز ہی کی تحریک پر لکھنؤ ہی میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں آ گئے ۔۔۔ یہاں عربی ادب کے اکثر اونچے اسباق مولانا کے سپرد ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت فقہ اور حدیث کے اسباق بھی پڑھاتے ۔۔۔ یہاں دار العلوم میں مولانا موصوف کی یہ خصوصیت تھی کہ نصاب تعلیم کی ہر کتاب ان کو دی جا سکتی تھی۔

تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، ان متعدد کتابوں اور بعض کتابوں کے ترجموں کے علاوہ جن کی طباعت واشاعت کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔ ان کی دو معروف ومقبول کتابیں ان کے علمی مقام اور کامیاب محنت کی یادگار ہیں۔

ایک "مصباح اللغات" جس میں پچاس ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کی اردو میں تشریح کی گئی ہے بہت جامع اور ضخیم لغت ہے۔ اندازہ ہے کہ قریباً ۲۰ اڈیشن اس کے شائع ہو چکے ہیں۔ مرحوم نے اس کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف لغت ہی پر نہیں بلکہ دوسرے علوم عربیہ پر بھی ان کی نظر کتنی وسیع اور عمیق تھی۔

دوسری کتاب "اردو عربی ڈکشنری" ہے جو اردو الفاظ کی عربی معلوم کرنے کے لئے بہترین اور مستند کتاب ہے۔ اس کے بھی متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں ان دونوں کتابوں پر حکومت ہند نے مولانا کو انعام بھی دیا تھا۔

ادھر کافی عرصہ سے موصوف کی صحت خراب تھی۔ اب سے ۴-۵ مہینے پہلے فالج کا حملہ ہوا تھا اور حالت بظاہر مایوس کن ہو گئی تھی، فوراً ہی لکھنؤ میڈیکل کالج کے اسپتال میں داخل کر دیا گیا اور اس وقت اللہ کا فضل ہو گیا، چند ہی روز میں حالت قابل اطمینان ہو گئی اور ہم لوگ بھی مطمئن ہو گئے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء، میں کئی سال گرمی کی شدت کی وجہ سے ماہ جون کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ اس چھٹی میں مولانا کا قیام اپنے وطن (رسڑا ضلع بلیا) میں رہا، جون ختم ہونے پر مولانا نے کچھ مزید چھٹی دار العلوم سے لے لی۔ جولائی کے آخری ہفتہ میں وہیں فالج کا دوسرا حملہ ہوا وہی آخری مرض وفات بن گیا اور ۲۶ جولائی کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون و غفرانک ربنا والیک المصیر

جب دور یا قریب کے کسی تعلق والے کا انتقال ہوتا ہے تو اس ناچیز کو ہمیشہ یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے حقوق ادا کرنے میں بڑی کوتاہیاں ہوئی ہیں مولانا مرحوم کے بارے میں خصوصیت سے یہ احساس ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے کر دعا ایصال ثواب کے ذریعہ اس کی کچھ تلافی ہو سکے۔ ناظرین کرام سے عاجزانہ گذارش ہے کہ مولانا مرحوم کے لئے مغفرت ورحمت کی اور ان کے پسماندگان کیلئے دین ودنیوی صلاح وفلاح کی دعا فرمائیں۔ ناچیز راقم سطور پر بھی احسان ہوگا۔

نوائے اقبال

پھر باد بہار آئی اقبال غزلخواں ہو
غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو

تو خاک کی مٹھی ہے اجزا کی حرارت سے
برہم ہو پریشاں ہو وسعت میں بیاباں ہو

تو جنس محبت ہو قیمت ہو گراں تیری
کم مایہ ہیں سوداگر اس دیس میں ارزاں ہو

کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری
تو نغمۂ رنگیں ہے ہر گوش پہ عریاں ہو

اے رہرو فرزانہ رستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شبنم ہو صحرا ہے تو طوفاں ہو

ساماں کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل غارت گر ساماں ہو

یوگوسلاویہ کے مسلمان

ترجمہ وتلخیص محمود الازہار ندوی

ایک مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو سخت حالات اور خراب ماحول میں اسلام پر قائم اور اس کی نشر واشاعت میں لگا ہوا پائے، اور خصوصاً ایسے حالات میں جہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ پایا جاتا ہو اور اسلامی دھارے کو جگہ جگہ سے منقطع کر دینے کی اسکیمیں عمل میں لائی جاتی ہوں وہاں اسلام کا وجود ہی نہیں بلکہ اسلام کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد کا وجود جہاں ہمت وجرأت اور پیہم کوشش پر دلالت کرتی ہے وہاں ان کا جذبۂ ایمانی بھی قابل تعریف ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون

وہ ملک یوگوسلاویہ ہے جہاں سیاسی اور مذہبی طور پر حکومت کمیونسٹوں کو حاصل ہے کمیونزم اور اسلام کے اصول ایک دوسرے کے متضاد ہیں ایسی صورت میں ۳۱ لاکھ افراد کا وجود اور دین کے فرائض کو بخوبی انجام دینا اور اسلام کے مطابق زندگی گذارنا ہی سب سے بڑی چیز ہے۔

یوگوسلاویہ میں اسلام ترکوں کی کی کد وکاوش اور خلافت عثمانیہ کی دین ہے ترکی حکومت کے زوال سے جہاں عالم اسلام کو نقصان پہونچا وہاں یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کا عالم اسلام کے رشتہ منقطع ہو گیا یوگوسلاوی مسلمان اس وقفہ ۱۵۰ سال سے بھی زائد میں جان ومال اور عقیدہ کی طرف سے برابر دفاع اور شعائر اسلام پر عمل پیرا ہے، یوگوسلاوی مسلمان اسلام سے رشتہ جوڑنے کو باعث عزت اور مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے کیونکہ ایک مسلمان اسلام کی حقانیت ہی پر مرتا جیتا ہے۔ یوگوسلاویہ میں اسلام پھیلتا جا رہا ہے اور نئے افراد اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے جا رہے ہیں اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے یوگوسلاویہ کی صرف ایک ریاست میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان ہیں اور تقریباً ۱۷۰ مسجدیں ہیں۔ صرف شہر سرایبوو میں ۹۰ مسجدیں ہیں۔ سب سے بڑی اور قدیم مسجد ۴۵۰ سال پہلے کی ہے ان تمام مسجدوں میں امام اور خطیب مقرر ہیں جن کے فرائض میں امامت، کمیٹی کی جانب سے نماز کے بعد علم دین اور اس کے مسائل کی تعلیم اور حاضرین کے سوالوں کا جواب دینا اور فتویٰ لکھنا شامل ہے۔ مختصراً ہر مسجد اپنی جگہ پر ایک مدرسہ ہے ان مدارس نما مساجد میں مخلص داعی اور اسلامی تعلیم کی نشر واشاعت اور اپنے کو قربانی کے لئے پیش کرنے والے افراد پیدا ہوتے ہیں اس کے علاوہ یوگوسلاویہ میں ایسی درسگاہیں بھی ہیں جہاں صرف مسجدوں میں امامت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور طلباء اس کو بڑے شوق سے حاصل کرتے ہیں اس امر کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک مدرسہ میں ۳۰۹ طالب علم ہیں اور ۱۲ اساتذہ ہیں۔ اس میں قابل ذکر مدرسہ المشیخۃ الاسلامیۃ العلیا ہے جس کے سرپرست الحاج سلیمان کاموزا ہیں یہ ایک صاحب دل اور مخلص مسلمان ہیں۔ جان مال اور تمام کوشش ایک اسلامی کالج کے کھولنے کے لئے وقف کر دیا ہے اگر یہ منصوبہ برکاری طور پر پورا ہو گیا تو یہ ایک خوش آئند بات ہوگی جدید نسل کی تعلیم وتربیت اور علمی فکری میدان میں رہنمائی کے لئے ایک خوش کن اور قابل ذکر بات ہوگی۔

دوسری قابل ذکر درسگاہ "کوسوفا" میں ہے جس میں ذریعہ تعلیم البانوی زبان ہے اس شہر میں البانوی نژاد باشندے کثیر تعداد میں رہتے ہیں اس لئے وہاں البانوی زبان میں تعلیم دینے کا انتظام ہے اور وہاں کی آبادی پر اس کا اچھا اثر بھی ہے۔ تبلیغ کی وجہ سے بعضوں نے اسلام قبول کیا۔

۳۱ لاکھ سے زائد مسلمان ہیں: یوگوسلاویہ کی مختلف

ریاستوں میں آباد مسلمانوں کی تعداد ۳۱ لاکھ سے بھی زائد ہے جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مسلمان اس کمیونسٹ ملک میں اپنی جمعیت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

یوگوسلاوی مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد میں کو دیکھتے ہوئے ان کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک قوم کی ترقی اور اس کو مہذب بنانے میں جہاں خوشدلی مدد ومعاون ہے وہاں نئی نسل کے ذہن کو صحیح راستہ پر چلانے کے لئے اچھے رسائل واخبار کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ رسائل واخبارات قوموں کے رجحانات کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اسی غرض سے مدرسہ المشیخۃ الاسلامیۃ العلیا "البیان" نام کا ایک ماہنامہ رسالہ نکالتی ہے جو ۳۳ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اسی طرح "زمزم" مدرسہ غازی سے نکلتا ہے۔

خسرو بیگ رابطۂ علماء کا ترجمان "البعث الاسلامی" ہے جس کو علماء کی ایک منتخب جماعت نکالتی ہے اور اس کی ادارت کے فرائض مصطفیٰ مشاہیمی اور سنان الدین انجام دیتے ہیں یہ رسالہ ہر سال ایک کتاب بھی شائع کرتا ہے جس میں اسلام کی حقانیت، مقاصد اور اصول وضوابط پر مقالے ہوتے ہیں۔ اور مولانا احمدی قرآن مجید کا یوگوسلاوی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔

بقیہ سیرت عثمانی

فرش خاک پر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے اور بہت بے تکلفی سے پیش آتے تاکہ انھیں کچھ کہنے میں دشوار نہ ہو، دوپہر میں مسجد میں قیام کرتے، چادر سر کے نیچے رکھ لیتے اور فرش پر لیٹ جاتے؛ اٹھتے تو جسم پر سنگریزوں کے نشان بن جاتے کسی کو کوئی معاملہ پیش کرنا ہوتا تو مسجد ہی میں آپ کے سامنے اپنی شکایت پیش کر دیتے اور آپ وہیں اس کا فیصلہ کر دیتے۔

شروع سے عزلت پر اصحاب حاجت کی خاص فکر رکھتے تھے، زہد ودہش کا یہ عالم تھا کہ جب خلافت کے لئے انتخاب ہوا تو اس وقت یہ حالت تھی کہ سارے عرب میں بکریوں اور اونٹوں کی تعداد ان سے زیادہ کسی کے پاس ہو لیکن بارہ تیرہ برس کی خلافت میں نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ پاس نہ رہ گیا، لوگوں کی ضروریات بڑی فیاضی سے پوری کرتے، قرض دے کر واپس نہ لیتے، خود موٹا جھوٹا کھا کر بسر کرتے لیکن دوسروں کو بہترین کھانا کھلاتے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ

یطعم الناس طعام الامارۃ ویدخل بیتہ فیاکل الخل والزیت

وہ لوگوں کو امیرانہ کھانا کھلاتے تھے، پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے تھے اور سرکہ وتیل کھاتے تھے

لباس بھی بہت معمولی پہنتے تھے، بیویوں کو بھی زیادہ نفیس لباس کی ممانعت تھی۔

آئینِ جواں مرداں ......

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

تحریر: علی طنطاوی ← → ترجمہ از: سیّد عبد الرشید

صبح کا خوشگوار و سہانا وقت ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں چل رہی ہیں۔ سبک خرامی سے چلتی ہوئی نسیم صبح کے جانفزا جھونکے لوگوں کو تھپکیاں دے دے کر سلا رہے ہیں اور طیور خوش الحان کی دلفریب گنگناہٹ، مسحور کن چہچہاہٹ اور ان کی نغمگیں آوازیں ان کو بیدار کرنے کی ناکام کوششیں کر رہی ہیں۔ غرض یہ کہ ہر طرف چین و سکون آرام و اطمینان کا دور دورہ ہے — یکایک ایک تیز آواز بلند ہوتی ہے اور فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتی ہے "آج ابراہیم پاشا شیخ حلبی کی زیارت کے لئے تشریف لا رہے ہیں" یہ سنتے ہی لوگ ٹھٹھک سے گئے زبانیں گنگ سی ہو گئیں۔ ہر ایک شخص کے چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں، اپنی جگہ پر ہر شخص ساکت و صامت و پریشان تھا ہر ایک ذہنی آزمائش و کشمکش میں مبتلا تھا اگرچہ یہ لوگ میدان کارزار کے شہسوار تھے لیکن پھر بھی اپنے فاتح و آقا سے اسقدر خائف تھے — آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا کیا سبب ہے؟ کیا وجہ ہے؟ میدان جنگ کے شہسوار اپنے ہی طرح کے ایک انسان سے اتنا خائف کیوں ہیں؟ انھیں معلوم تھا کہ بادشاہ نہایت ہی ظالم واقع ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ظلم و ستم کا مجسمہ شقاوت و بربریت کا خوگر، عدوان و زیادتی کا پیکر، نفس کا بندہ، خواہشات کا غلام ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو قتل و غارتگری میں اتنا طاق تھا کہ اس کی تلوار اس کی زبان سے پہلے چلتی تھی...... ہر ایک شخص کو دوسرے سے یہی سوال تھا کہ اب کیا ہوگا؟ ہم لوگ کیا کریں؟ اس اضطراب و پریشانی، بے کلی و بےچینی خوف و ہراس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انھیں معلوم تھا کہ شیخ دنیا داروں سے بات تک نہیں کرتے اور نہ کسی بادشاہ کی عزت و توقیر اس کی بادشاہت یا طاقت غلبہ کی وجہ سے کرتے ہیں اور نہ کسی مالدار کی تعظیم اس کی دولتمندی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اطلس و کمخواب کی ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں تھی صندوقوں میں مدفون دولت و مال کی کوئی وقعت نہیں، ان کے نزدیک تو معیار عزت و رفعت، شرافت و نجابت کچھ اور ہی چیز تھی، قدر و منزلت کی نشانی، تعظیم و تکریم کی کسوٹی دوسری تھی۔ ان کے نزدیک لوگوں کو جانچنے اور پرکھنے کی میزان دوسری تھی — وہ تو صرف لوگوں کے دلوں کا ایمان اور نفس کی عفت اور خودداری دیکھتے تھے۔ لوگ ظاہری چیزیں دیکھتے ہیں اور مرعوب ہو جاتے ہیں لیکن آپ باطن دیکھتے تھے۔ اسی لحاظ سے اس سے معاملہ کرتے تھے — یہی سب وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ خوف کھاتے تھے ڈرتے تھے کہ کہیں شیخ کی یہ باتیں پاشا کو بری نہ لگ جائیں — وہ کہتے تھے کاش بادشاہ یہاں نہ آتا۔ لیکن اسے آنے سے کون روک سکتا تھا اس سے کون مل سکتا تھا کیونکہ وہ تو اپنے عظیم الشان و محفوظ محل میں تھا جس کے ارد گرد مسلح محافظ باڈی گارڈ تھے لاؤ لشکر تھا، ہتھیار و اسلحہ تھے غرض یہ کہ وہاں پہنچنا گویا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا کیونکہ وہاں تو موت مختلف شکلوں و ہیئتوں میں تیار تھی — دوسری طرف وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش! وہ شیخ سے التماس کر سکتے کہ صرف بادشاہ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ نہ کریں — لیکن ...... لیکن وہ تو شیخ جیسی ہستی پر ایسے ایسے سیکڑوں ظالم و جابر بادشاہوں کو قربان کر سکتے تھے ان کے نزدیک شیخ کی ہستی بادشاہ سے زیادہ لائق احترام قابل تعظیم تھی۔ یہ وہ ہستی تھی جس کے پاس عظیم الشان و محفوظ قصر شاہی تھا اور نہ بادشاہ کی طرح محافظ و باڈی گارڈ اور لشکر و ہتھیار تھے ان کی حفاظت انکی ہیبت و رعب کرتی تھی اور ان کا تقویٰ ان کی ڈھال تھا اور ارد گرد فرشتوں کا ہجوم تھا جو شیخ کے قدموں کے نیچے اپنے پر و بازو بچھاتے تھے — وہ اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ بادشاہ شیخ کو کوئی گزند پہونچائے گا۔ کیونکہ اگر بادشاہ ان تک پہونچ سکتا تھا تو ان لوگوں کی لاش کے اوپر سے گذر کر ہی جا سکتا تھا۔ جب تک سب کے سب اپنے آپ کو شیخ پر نثار کر دیتے اس وقت تک بادشاہ کا ان تک پہونچنا محال تھا کیوں کہ وہ شیخ کی عظمت و بڑائی سے خوب واقف تھے۔

بادشاہ کے خیر مقدم کی تیاریاں ہونے لگیں جا بجا استقبالیہ گیٹ بننے لگے۔ فتح و کامرانی کے جھنڈے لہرانے لگے اور لوگوں نے شہر کے سب سے بہترین باغ کے خوشنما پھول بادشاہ پر نچھاور کرنے کے لئے جا بجا جمع کر دیئے ابھی سہ پہر کا وقت بھی نہ ہوا تھا کہ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ایک نہایت عظیم الشان شاندار جلوس کے ساتھ بادشاہ شہر میں داخل ہوا۔

شیخ ایک ایسی مسجد میں قیام پذیر تھے جس کا دروازہ بہت چھوٹا تھا۔ جب پاشا سواری پر سوار شیخ کی زیارت کیلئے مسجد کے دروازہ پر پہونچا تو رک گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دروازہ کہہ رہا ہو "تم خود لوٹ جاؤ یا اپنی دنیا کو لوٹا دو تم خدا کے اس مقدس گھر میں بغیر تواضع اختیار کئے اور عاجزی کے ہرگز نہیں داخل ہو سکتے" چند لمحہ بادشاہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے محافظین و باڈی گارڈ اور دوست و احباب کو باہر چھوڑ کر مسجد میں پاپیادہ داخل ہو گیا۔ شیخ ایک چٹائی پر جلوہ افروز تھے اور ان کا ایک پیر پھیلا ہوا تھا بادشاہ نے سنا وہ کہہ رہے تھے...... "جب کوئی شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے دنیا کی تمام چیزیں خوف کھانے لگتی ہیں کیونکہ وہ ہر بڑی چیز کو چھوٹا سمجھتا ہو کیوں کہ اس کے نزدیک سب سے بڑی ہستی صرف اس اللہ کی ہے جس کا نام وہ دن میں سیکڑوں بار لیتا ہے اور اس کی عظمت و بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ اللہ اکبر کا یہ معمولی کلمہ جسے کم سے کم مسلمان ۸۵ بار دہراتے ہیں اور جسے بالکل مسجد کے مناروں سے سنتے ہیں یہ کوئی معمولی لفظ یا کلمہ نہیں ہے اس کے اندر ایک راز پوشیدہ ہے جس کی حقیقت آج کل کے مسلمان نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ جب بھی خدا کی بڑائی اور اس کی نصرت و حمایت کا کامل یقین ہوگا وہ دنیا میں کسی چیز کی بھی پرواہ نہ کرے گا۔ نہ بادشاہ کی اور اس کی جاہ و حشمت اور اس کی دولت کی اور نہ کسی خطرناک مرض کی! اگر آج بھی لوگ اس کلمہ کی حقیقت جان لیں جسے وہ بار بار دہراتے ہیں تو وہ اس احساس کمتری، بزدلی، ہرگز شکار نہ ہوں۔

حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا: شیخ اگر اس کو بادشاہ قتل کر دے یا کوئی موذی مرض لے موت کی ابدی نیند سلا دے؟ شیخ نے حیرت و استعجاب سے کہا: سبحان اللہ! کیا مومن شخص قتل سے ڈرتا ہے یا موت سے بھاگتا ہے؟ کیا تمھارے خیال میں انسان موت سے اسی لئے راہ فرار اختیار کرتا ہے کہ وہ انسان کو تمام نعمتوں اور آسائشوں سے محروم کر دیتی ہے؟ یہ ٹھیک ہے سمجھے کہ موت انسان کو تمام لذتوں سے محروم کر دیتی ہے — لیکن یہ انداز فکر تو صرف کسی کافر ہی کا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک اس حیات دنیوی سے ماورا کسی اور زندگی کا تصور ہی نہیں ہے اس کے برعکس بندہ مومن ہے جس کی نظر میں اس دنیاوی زندگی کے علاوہ آخرت کی زندگی کا تصور بھی ہے اسی لئے وہ اپنی دائمی زندگی کے لئے زاد سفر مہیا کرتا ہے اور اس دنیا میں کسی مستعد مسافر کی طرح رہتا ہے اور موت کا اس طرح انتظار کرتا ہے جس طرح ایک مسافر ٹرین کی آمد کا انتظار کرتا ہے اور وہ موت سے نیز اپنے پروردگار سے ملنے کا اتنا ہی مشتاق ہوتا ہے جتنا شوق و اشتیاق ایک مسافر کو اپنے گھر والوں اور ساتھیوں سے ملنے کا ہوتا ہے — اور افضل الشہداء تو وہی شخص ہے جو ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کے جرم میں قتل کر دیا جائے، بادشاہ ابھی تک مجلس ہی کے پاس خاک سکوڑے منھ بچکائے کھڑا تھا اور حاضرین مجلس کو نہایت نفرت و حقارت سے دیکھ رہا تھا اور اس کا غصہ بتدریج بام عروج کو پہونچ رہا تھا — یکایک بادشاہ کی نظر اس پر پڑی لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا اور نہ آپ کی باتوں میں ذرہ برابر فرق بھی آیا اور شیخ نے کسی عام انسان کی طرح بادشاہ کو ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور پھر اپنے وعظ میں مصروف ہو گئے۔

بادشاہ نے حاضرین مجلس پر ایک تجسسانہ نظر ڈالی جیسے وہ کسی گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو وہ اسی انتظار میں تھا کہ کب یہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ تو کسی اور ہی دنیا کے باسی ہیں اسے کیا خبر تھی کہ شیخ نے ان لوگوں کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ ان کی نگاہوں میں دنیا اور اس کے ساز و سامان کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی ہے اور خود اس کی حیثیت ان لوگوں کی نگاہوں میں کسی چیونٹی کے مانند ہے — اور کیا کوئی شخص ہے جو چیونٹی کی پرواہ کرتا ہے؟ بادشاہ نے ایک بار پھر مجلس پر طائرانہ نظر ڈالی تو اس کی نگاہ بھی شیخ کے پھیلے ہوئے پیر میں الجھ گئیں جس کا رخ اسی کی طرف تھا اس بات نے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہونچائی اور اس کا جذبہ کبر و نخوت بھڑک اٹھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہ ایک تعجب کی علامت ہے یا ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جو اس کی عظمت و قوت کو چیلنج کر رہا ہے۔ شیخ کا پھیلا ہوا پیر ایک شہتیر کی مانند نظر آ رہا تھا — وہ دیکھ رہا تھا کہ کسی شخص نے شیخ کا پیر کاٹنے کے لئے اپنی تلوار نہیں نکالی تا کہ وہ اس کا قرب حاصل کر سکے — حقیقت تو یہ تھی کہ اس وقت تک بادشاہ کی مصنوعی نگاہیں اور بصیرت کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں بلکہ اب تک وہ یہ سب کچھ اپنی مادی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے عظیم الشان محل اور اپنے تخت کا موازنہ شیخ کی جگہ اور ان کی چٹائی سے کر رہا تھا۔ اپنی فوج اور شیخ کے ساتھیوں کو تول رہا تھا پرکھ رہا تھا اور اس کو کامل یقین تھا کہ شیخ کی یہ دنیا اس کی تلوار کے آگے جس کے سامنے خلیفہ عثمانی کی پر شکوہ حکومت ایک لمحہ بھی نہ ٹک سکی تھی ایک سکنڈ بھی نہیں ٹھہر سکتی — اگرچہ شیخ کی حیثیت اس تباہ کن بم کی طرح تھی جو ایک جھاڑی میں پڑا تھا۔ اتفاق سے ادھر سے ایک شیر کا گذر ہوا تو اس نے نفرت و حقارت سے بم پر ایک نظر ڈالی اور کہا، تیری خرابی ہو کون سا جانور ہے؟ تیرے ضعف و کمزوری کا کیا عالم ہے؟ تیرے دانت کہاں ہیں؟ پنجے کہاں ہیں؟ ہائے افسوس آخر تو اپنے گھر والوں کو کیا فائدہ پہونچاتا ہوگا — یہ کہتے ہوئے اس نے ایک بار زور سے ٹھوکر ماری — اور اچانک بم پھٹ گیا — دوسری طرف شیخ کے منھ سے بھی ایک بم پھٹا — وہ کہہ رہے تھے — انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب مخلوق ہے۔ خدا نے عام حیوان کی طرح اس کی تخلیق کرنے کے بعد اس میں کچھ شیطانی اوصاف اور کچھ ملکوتی فضائل ودیعت کیں۔ جس شخص نے اپنا مقصود اور مطمح نظر صرف دنیا کو بنایا اور اسے حلال و حرام طریقے سے جس طرح بھی ممکن ہوا اسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ حیوان اور محض حیوان ہے جس کا مقصود حیات صرف پیٹ کی آگ بجھانا اور جنسی خواہش پوری کرنا ہے — اور وہ شخص جس کا مقصود اور منتہائے نظر آخرت کی دنیا ہو گی وہ حرام و حلال کا خیال کرے گا اور یہی شخص "انسان" کہلانے کا مستحق ہوگا اور جو شخص برائیوں سے نہیں بچتا وہ بھی محض شیطان ہے اس سے زیادہ بہتر حشرات الارض کیوں کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان کا ٹھکانا مٹی ہے۔ یاد رکھو جنت محض آرزو و تمنا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کے لئے عمل صالح اور جد و جہد کی ضرورت ہے — اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی طالب علم پورا سال کھیل کود میں گنوا دے اور پھر پاس ہونے کی تمنا کرے کیا وہ محض تمنا و آرزو کرنے سے کامیاب ہو جائے گا؟ یا کوئی شکاری اپنی بندوق ایک طرف ڈال دے اور اپنا جال زمین پر یوں ہی پھینک دے تو کیا اسے شکار حاصل ہو جائے گا یا صرف اس کی آرزو میں ہرن کو بانجوں لا کھڑا کریں گی......

وعظ جاری تھا کہ ایک شخص نے سوال کیا "آج کل دل تو بہت سخت ہو گئے ہیں اس کا کیا علاج ہے؟" شیخ نے فرمایا کہ شیطان برابر انسان کو اس کے بڑے پن کا احساس دلاتا رہتا ہے کہ اس میں یہ خوبیاں اور کمالات ہیں اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور اس کو اس کی خرابیوں کی طرف متوجہ کرے صحت کی حالت میں اسے مرض سے ڈرائے اور موت کی یاد دلائے۔ ہم نے اپنے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ جب ان کا دل سخت ہو جاتا تھا تو وہ قبرستان یا ہسپتال کا رخ کرتے تا کہ اپنے نفس کو مرض سے ڈرائیں اور اسے موت کی یاد دلائیں۔ مومن ہمیشہ اس وقت تک کامیاب رہے گا جب تک کہ وہ خوف و رجاء کے درمیان رہے گا ورنہ وہ تباہ و برباد ہو جائے گا، ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات اپنا ہاتھ چراغ سے قریب کرتے اور نفس مخاطب کر کے کہتے تھے کہ تیری خرابی ہو جب تو اتنی معمولی سی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو جہنم کی آگ کیسے برداشت کر سکے گا۔ مومن کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ جب جب اس کے نفس میں خواہشات کی آگ بھڑکے تو اسے جنت کی نہروں سے بجھائے یا پھر انہیں جہنم کی آگ میں جلا دے —

اگر عقل ہی نہ ہو تو انسان کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اور عقل اس وقت تک کامل و مکمل نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ ایمان نہ ہو۔ غیر مومن انسان کی ابتدا ایک ناپاک قطرہ منی ہے اور انتہا ایک بدبودار لاشہ ہے — بادشاہوں کو ایک قسم کا نشہ ہوتا ہے اور جس شخص کو اس کی سلطنت و حکومت اور قوت و جبر نشہ میں مخمور کر دے اور وہ لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگے ایسے انسان کو چاہئے کہ وہ خدا کے مقابلہ میں اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی، بے کسی و بے بسی کو محسوس کرے۔ اے انسان یاد رکھ جس طرح تیری ابتدا مٹی ہے اسی طرح تیری انتہا بھی مٹی ہے......

اب بادشاہ کا غصہ کافور ہو چکا تھا نفرت و حقارت کے جذبات معدوم ہو چکے تھے نخوت و تکبر ختم ہو چکا تھا اور اس کی ظاہری آنکھوں کے پردے ہٹ چکے تھے باطنی آنکھیں کھل چکی تھیں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب تک وہ کہیں قید رہا یا کسی گھٹا ٹوپ تاریکی میں بھٹک رہا تھا اور اب وہ آزاد ہو گیا ہے یا صبح طلوع ہو گئی ہے چنانچہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ گیا اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنے لگا شیخ کا پھیلا ہوا پیر اب اس کی نگاہوں میں نہیں کھٹک رہا تھا بلکہ اب وہ محسوس کر رہا تھا یہ بچانے والی لکڑی ہے اور ڈوبنے والا شخص ہے جس کو اسی لکڑی نے منجدھار سے ساحل تک پہنچا دیا ہے۔ غرض یہ کہ اب اس کی طرز فکر و طرز معیشت سب کچھ بدل گیا اور شیخ کی صحبت سحر اثر نے اس کی دنیا ہی بدل دی۔

لوگوں کا بیان ہے کہ بادشاہ نے مجلس سے جانے کے بعد شیخ کی خدمت میں خالص سونے کی سو اشرفیاں بھجوائیں لیکن شیخ نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ بادشاہ سے کہہ دینا "جو اپنا پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا"۔

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
(علامہ اقبال)

واشنگٹن کی مسجد

ڈاکٹر عبدالصاحب ہاشم (امریکہ)

امریکا کے دارالسلطنت واشنگٹن میں آج سے تقریباً دس سال قبل ایک عظیم الشان اسلامی سینٹر قائم کیا گیا ہے جس کی خوبصورتی اور کشش دیکھ کر ہر مسلمان کے چہرے پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چاہے وہ عربی ہو یا عجمی گورا ہو یا سیاہ فام اس کی رگ و پے اور روح میں قوت اور تازگی اور دل میں ایک اسلامی امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکا کے مسلم سیاسی لیڈروں نے واشنگٹن میں دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے ایک عظیم ادارہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ تاکہ اس میں مکمل طور پر قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر کا درس دیا جائے اور باقاعدہ یہاں سے تبلیغی فرائض انجام پائیں چنانچہ تمام امریکی مسلمانوں نے متفقہ طور پر ۱۹۴۹ء میں اس کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۵۸ء میں مکمل ۹ سال کے بعد ان مخلص اور جانباز مسلمانوں نے اس کا خیر کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ اس ادارہ کی تعمیر میں مسلم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عہدیداروں اور عیسائی آبادی کے بہت سے افراد نے بھی حصہ لیا۔ اس اسلامی مرکز میں ایسی جاذبیت ہے جس کی وجہ سے امریکا کے شہریوں کو اس سے نہایت دلچسپی ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر۔ اس مرکز کا افتتاح اس وقت کے امریکی صدر آئزن ہاور نے کیا تھا اور انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں عوام کو خطاب کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ امریکی دستور اساسی نے تمام اقوام کو پوری طرح مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اس ادارہ کے تعمیری پروگرام میں تمام اسلامی ممالک نے مالی طور پر حصہ لیا اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور آئندہ بھی وہ اس مرکز کے تعاون کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ یہ ان اسلامی ملکوں کے اتحاد و ترقی کا ایک اہم تجربہ تھا اس عمارت کی نقاشی اور مینا کاری میں مصر کے عمدہ کاریگروں نے حصہ لیا اور دل کھول کر اپنے فن کے جوہر دکھلائے اسی کے ساتھ مصر نے ایک مزین و منقش منبر مسجد کے لئے ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کی خوبصورتی اور زیب و زینت سے آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح حکومت ترکی نے اس عمارت کی پچی کاری اور نقش و نگار کے لئے ترکی کے کاریگروں کے اخراجات کا بوجھ برداشت کیا۔ حکومت ایران نے بھی ایک بہترین قالین تحفہ میں پیش کیا جو خاص کر اس مرکز کی مسجد کے لئے ایران میں تیار کیا گیا، چنانچہ صرف مسجد کی تعمیر میں ۱۵ لاکھ ڈالر کا صرفہ ہوا۔

اس مرکز کے مہتمم سب سے پہلے ڈاکٹر محب الدین بنائے گئے تھے، جو ڈاکٹر "بیصار" کے نام سے مشہور رہے۔ ان کے بعد ڈاکٹر نجار مقرر کئے گئے اور فی الوقت ڈاکٹر عبدالقادر اس کے منتظم ہیں جن کی شخصیت برطانیہ اور یورپ کے اسلامی حلقوں میں مشہور رہی ہے اس کے علاوہ اس مرکز کی مجلس منتظمہ ۲۳ ممالک کے نمائندے ہیں اور یہ ۲۳ ملک مرکز کے پچاس فیصد اخراجات بھی حاصل کیا جاتا ہے پھر بھی ہر سال اخراجات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اس لئے ممالک اسلامیہ سے مزید عطیات کی درخواست کی گئی ہے اگر مالیہ کی فراہمی ہو جائے تو مرکز کے بیش نظر ایک اسلامی درسگاہ اور ماہنامے کے اجراء کا پروگرام ہے جو امریکا میں اجتماعی اور دینی امور کی خدمات کی انجام دہی میں بڑا معین ثابت ہوگا جس سے وہاں کے لوگوں میں ایک صحیح و صالح شعور پیدا ہوگا اور بہت جلد وہ نتائج رونما ہوں گے جن کی توقع کی جا رہی ہے۔

تمام سال زائرین کا سلسلہ جاری رہتا ہے جن کی سالانہ تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تک پہونچ جاتی ہے ڈاکٹر عبدالصاحب لکھتے ہیں کہ جس دن میں نے مسجد کے متولی سے ملاقات کی اس دن بھی تقریباً ڈیڑھ ہزار امریکی عورتوں نے مسجد کی زیارت کی۔ یہ زائرین مختلف شعبہ ہائے زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں ان میں مدارس کے طلبہ کیتھولک فرد سے تعلق رکھنے والے مشرقی فن تعمیر کے شیدائی شامل تھے اس کے علاوہ بہت سے وفود ہمیشہ اسے دیکھنے کے لئے آتے رہتے ہیں جو مختلف انجمنوں کے ممبران پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان زیارتوں سے یہ اثر ہوتا ہے کہ زائرین کے دل میں اس کے بعد فوراً ہی دوسری اسلامی منہ بولتی عمارتیں دیکھنے کا شوق موجیں مارنے لگتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری اقوام کتنا اچھا اثر یہاں سے لے کر جاتی ہیں۔

آئے دن زائرین اسلام اور مرکز کی اہمیت واضح ہوتی رہتی ہے اور وہ تمام بھیانک تصورات جو اسلام کے بارے میں ان کے ذہنوں میں بٹھائے گئے ہیں زائل ہوتے جاتے ہیں اور جو غلط تصور اکثر امریکہ کے دل و دماغ پر مسلط ہے اور جس کی پشت پر صیہونی مشنری، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی فون ٹیلی ویژن، زہرافشانی میں سرگرم عمل ہے۔

بہرکیف اس مسجد میں کثرت سے مسلمان پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ عید اور جمعہ کے ایام میں مسجد بھر جاتی ہے جس میں تقریباً چار سو آدمی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی یہ تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے جس میں ہر مسلک کے لوگ شامل ہوتے ہیں گویا کہ یہ ایک روح پرور اجتماع ہوتا ہے جس میں مختلف رنگ و نسل، ذات پات اور مختلف زبانیں بولنے والے ایک مقصد کے تحت خدا کی عظمت کے آگے سر بیک وقت سربسجود ہو جاتے ہیں۔

اس مرکز نے اسلام کے اولین اصول مساوات کو اپنایا اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (زیادہ اچھے کام کرنے والا خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے) کا عملی مظاہرہ کیا اور اراکین مرکز نے رنگ و نسل کے امتیاز کی لعنت سے اور ممالک و مذاہب کے اختلافات سے اس کو بالاتر رکھا۔

مرکز میں ایک عظیم کتب خانہ ہے جس میں بہت سی قیمتی اور نایاب کتابیں ہیں جو امریکا میں دستیاب نہیں ہیں، اس کے علاوہ عربی انگریزی کی ضخیم مجلدات بھی موجود ہیں جن کی تعداد لگ بھگ ۱۵ ہزار ہے۔ جن سے دینی اور اجتماعی مسائل میں استفادہ حاصل کیا جاتا ہے۔ مرکز کا ایک حصہ عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کے لئے مخصوص ہے جہاں ہر ہفتہ کے دن تین گھنٹے ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی ہے اور ہفتہ کے دیگر ایام میں شام کے وقت امریکی باشندے اپنے معیار کے مطابق اسلام اور عربی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے پابندی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں چنانچہ ایک اسکول کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے جس میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ اور عربی زبان کا بھی نصاب اور تعلیم کا لازمی جز قرار دیا جائے۔

اس مرکز کے ناظم اعلیٰ معمولات کے علاوہ اکثر اجتماعات اور جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں جس میں عیسائی اور اسلامی درسگاہوں کے بانی و منتظمین جمع ہوتے ہیں تاکہ اسلام کے بارے میں نظریات و افکار کا تبادلہ ہوتا رہے۔ اور اسی غرض سے وہ امریکہ کے اطراف و جوانب میں سفر کرتے رہتے ہیں جو ایک فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتا ہے۔ (ماخوذ)

کوائف دارالعلوم

از: محمد عبدالسمیع ندوی

دس سال کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کا اجتماعی معاشرہ ہر ستمبر کو الجھنوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوا مسلسل طوفانی بارش و دریائے گومتی کے سیلاب کا باعث بنی، پانی دو انچ فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑھنا شروع ہوا۔ ہر ستمبر بروز سہ شنبہ دارالعلوم کی عمارت کے سامنے والا لان، اس کی عمارت، دارالاقامہ اور دارالعلوم کی درمیانی سڑک، رہائشی مکانات، مہمان خانہ، ہر عمارت زیر آب ہو گئی بروقت کشتی کا انتظام بھی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے رابطہ قائم رکھنے میں سہولت ہوئی ٹیلی فون کا کنکشن بھی خدا کے فضل سے قائم رہا جس کی وجہ سے شہر اور ذمہ داران شہر سے رابطہ رکھنے میں مدد ملی۔

اس مرحلہ پر ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ جو ان دنوں شہر میں تشریف رکھتے تھے سیلاب کی سنگینی کا علم ہوتے ہی احاطہ دارالعلوم میں تشریف لے آئے اور اس وقت تک یہاں برابر مقیم رہے جب تک سیلاب کا پانی اتر نہیں گیا۔

حضرت مولانا زید مجدہ کی تشریف آوری کارکنان دارالعلوم کے لئے ہمت و حوصلہ کا سبب بنی اور طلبا کو بھی اطمینان و تقویت حاصل ہوئی اور وہ کسی حد تک اپنی تعلیمی مصروفیات کو برقرار رکھ سکے۔

پانی کی جو رفتار چل رہی تھی اس سے خدشہ محسوس ہو رہا تھا کہ شاید ۱۹۶۰ء کے سیلاب سے بھی زیادہ مقدار میں پانی آئے گا۔ چہار شنبہ کو تمام راستے بالکل مسدود ہو گئے، شہر سے رابطہ قائم رکھنا دشوار ہو گیا، بجلی پہلے ہی فیل ہو گئی تھی، اس کی جگہ جنریٹر و گیس کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ چہار شنبہ کو صبح ہی کتب خانہ کی الماریوں کے نچلے درجے خالی کرا کر کتابیں محفوظ کرا دی گئیں دفاتر کے ریکارڈ کا تحفظ بھی اسی طرح کیا گیا۔ پنجشنبہ کو پانی کے عمارت کے اندر داخل ہونے میں صرف سوا فٹ کا خطرہ رہ گیا تھا مجھ کو محسوس ہوا کہ پانی کچھ ٹھہرا ہوا ہے، یہ کیفیت بھی دو دن قائم رہی یکشنبہ سے پانی گھٹنا شروع ہوا چنانچہ چہار شنبہ کو سامنے والے لان میں پہونچ گیا، سڑک خالی ہو گئی اور لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی عمارتوں کی شکست و ریخت کی دیکھ بھال اور صفائی شروع ہو گئی ہے، یہ پرچہ جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہوگا دریا کا پانی اپنے معمول کی جگہ پر پہنچ چکا ہوگا اور دارالعلوم میں عام حالات کو پوری طرح بحال کئے جا سکیں گے۔ انشاء اللہ فی الوقت ان سطور کے ذریعہ ہم اپنے ہمدردوں اور کرم فرماؤں تک پورے دارالعلوم کی خیریت پہونچانا چاہتے ہیں۔ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے پاس خیریت طلبی کے لئے خطوط اور تاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ ملک کے دور دراز حصوں کے مخلصین خیریت کے لئے متوسش ہیں ادارہ اپنے تمام مخلصین کی دلسوزی کا مشکور ہے۔ دفاتر کتب خانہ وغیرہ بعافیت ہیں۔

دعا و تذکیر: سیلاب کے دوران حضرت مولانا زید مجدہ ـــــ دعا کی طرف متعلقین دارالعلوم کو متوجہ فرماتے رہے۔

الحمدللہ خوف اور پریشانی کے باوجود اس کا دلوں میں گزر نہ ہو سکا اور توجہ و انابت الی اللہ کی کیفیت محسوس کی گئی۔ رواق سلیمانی اور رواق نعمانی میں تعلیمی درجات لگتے رہے۔ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا بڑے اساتذہ نے اپنے کمروں میں علمی مشغلہ جاری رکھا۔ دارالعلوم کی عمارت کے مقیم طلبہ کشتی کے ذریعہ تعلیم کے لئے عارضی درسگاہوں میں آتے جاتے رہے اسی دوران سالانہ امتحان کا اعلان بھی کیا گیا۔ اور طلبہ پوری طرح سے تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

سیلاب کے آخری دنوں میں حضرت مولانا زید مجدہ کی آپریشن شدہ آنکھ پر نزلہ کی وجہ سے اچانک اثر پڑا اور درد کی تکلیف پیدا ہو گئی۔ دو دن زیادہ تکلیف رہی۔ اب بحمداللہ کہ پہلے سے سکون ہے۔ طبیعت رو باصلاح ہے۔ ناظرین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

دارالعلوم میں سالانہ امتحان ۱۴ر شعبان سے شروع ہو کر ۲۳ر شعبان کو ختم ہوگا۔ ۲۴ر شعبان سے دارالعلوم میں رمضان المبارک کی تعطیل شروع ہو جائے گی۔

سیلاب کے دوران دارالعلوم کی جن عمارتوں کو نقصان پہونچا ہے اس کی تفصیل دیکھ بھال کے بعد آئندہ اشاعت میں انشاءاللہ پیش کی جا سکیں گی۔

سیلاب کی پریشانیوں اور آمد و رفت کے ذرائع منقطع ہو جانے کے سبب یہ پرچہ بھی کافی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔

انشاءاللہ دارالکتب کا یہ پرچہ مشترکہ شعبان و رمضان کا ہوگا، کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ شمارہ صحیح وقت پر آپ تک پہونچ جائے۔

غزل

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

نظر میں روح میں دل میں سما کر بیٹھ جاتے ہیں
تلاطم ہر رگ و پے میں اٹھا کر بیٹھ جاتے ہیں
یہ ناداں جب کسی سے دل لگا کر بیٹھ جاتے ہیں
متاع دین و دنیا سب لٹا کر بیٹھ جاتے ہیں
اب اس کے بعد بھی ناداں تغافل کی شکایت کیا
یہی کیا کم ہے وہ نزدیک آکر بیٹھ جاتے ہیں
مصیبت میں جو کام آئے تو دیوانے ہی کام آئے
خرد والے تو بس دامن بچا کر بیٹھ جاتے ہیں
کسے آواز دوں اپنے نشیمن کی تباہی پر
چمن والے تو بس آنسو بہا کر بیٹھ جاتے ہیں
نہیں تسکیں پاتا قلب مضطر جب کسی صورت
تمھاری یاد کی شمعیں جلا کر بیٹھ جاتے ہیں
وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں کام ہے یہ اہل محفل کا
ہم اپنی داستان غم سنا کر بیٹھ جاتے ہیں
خیال آیا تصور میں بھی گر ترک تعلق کا
وہ چپکے سے مرادمن دبا کر بیٹھ جاتے ہیں
فضائے تیرہ و تاریک میں جب کچھ نہیں دکھتا
تو دل والے خود اپنا دل جلا کر بیٹھ جاتے ہیں
وطن سے دور رہنا بھی قیامت در قیامت ہے
جہاں ملتا ہے سایہ سر چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں
حضوری کا کسی کی انجمن میں جب بھی جی چاہا
طفیل ہم قبلہ رو گردن جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں